مروجہ تبلیغی جماعت

اور

ملفوظات حضرت مولانا الیاس کاندھلوی

مؤلف

مولانا رضوان احمد قاسمی

مروجہ تبلیغی جماعت

اور

ملفوظات حضرت مولانا الیاس کاندھلوی

از

مولانا رضوان احمد قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ محفوظ العلوم للبنات منورواشریف سمستی پور بہار الھند

کتاب کا نام: مروجہ تبلیغی جماعت اور

ملفوظات حضرت مولانا الیاس کاندھلوی

مصنف: مولانا رضوان احمد قاسمی (دامت برکاتہم)

ناشر: عالمی تحریک تحفظ ایمان

+92-322-2242192

سن اشاعت: 10 دسمبر 2018ء مطابق

25 ربیع الاول 1440ھ

یہ کتاب اور مزید اسطرح کی کتابیں اور بیانات حاصل کرنے کیلئے

ہماری ویب سائٹ کا وزٹ کیجئے۔

www.difaetabligh.com

www.sangenfitna.blogspot.com

اور بے شمار اکابر علماء دیوبند کے ویڈیو بیانات سننے کیلئے یوٹیوب چینل

difaetabligh کو سبکرائب کیجئے۔

www.facebook.com/difaetabligh

فہرست

عرض مؤلف

قارئین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ زیر نظر کتابچہ (مروجہ تبلیغی جماعت اور ملفوظات مولانا الیاس کاندھلوی) کوئی مستقل تالیف نہیں ہے بلکہ واٹس ایپ پر مختلف اوقات میں میرے کچھ مضامین شائع ہوئے تھے جن میں سے ایک سلسلہ تھا... مولانا سلمان ندوی صاحب کا نیا کتابچہ.... تحقیق کی کسوٹی پر..... جو کہ سات قسطوں پہ مشتمل تھا اسی طرح ایک دوسرے سلسلہ کا عنوان تھا.... مروجہ تبلیغی جماعت اکابر علماء کی نظر میں...... جس کی کل بارہ قسطیں تھیں. ان دونوں سلسلے کی تمام قسطیں اب کتابی شکل میں منظر عام پہ آچکی ہیں البتہ ایک تیسرے سلسلہ کی قسطیں ابھی تک کتابی صورت میں جمع نہیں ہو پائی تھیں جبکہ میرا یہی سلسلہ مروجہ تبلیغ سے متعلق سب سے پہلا سلسلہ تھا جو کہ بیس اقساط اور ایک ضمیمہ پر مشتمل تھا۔

اللہ پاک جزاء خیر دے اس باذوق ساتھی کو. جنھوں نے ان تمام قسطوں کو کتابی شکل دے کر مجھ پر بڑا احسان کیا کہ منتشر اقساط کو یکجا کر کے استفادہ کو آسان کر دیا. اللہ پاک انہیں اس کا نعم البدل عطاء فرمائے آمین ثم آمین

مروجہ تبلیغی جماعت کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں کہ خود بانی تحریک حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ سے معلوم کیا جائے کہ آپ نے یہ تحریک کیوں چھیڑی تھی. اغراض و مقاصد کیا تھے؟ اور کن اصولوں پر آپ نے اس کی بنیاد رکھی تھی؟ اور ظاہر ہے کہ ان سب چیزوں کا سراغ اگر کہیں سے مل سکتا ہے تو وہ آپ کے ملفوظات و مکتوبات ہیں.

اس لئے مروجہ تبلیغ کو سمجھنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں کہ آپ کے ملفوظات میں غور کیا جائے اور آپ کے مکتوبات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے۔

چنانچہ زیرِ نظر تحریر میں حتی المقدور یہی کوشش رہی ہے کہ بانی تحریک کے اخلاص وجذبات کی تمام تر قدردانی بھی ملحوظ رہے اور ادب وشائستگی کے ساتھ تجزیہ وتبصرہ میں بھی کوئی کمی نہ رہے۔ تاہم راقم سطور کو اپنی کم مائیگی اور کوتاہ فہمی کی وجہ سے بھرپور احساس ہے کہ یقیناً حق ادا نہیں ہوسکا ہے مگر جو بھی ہوا ہے وہ بھی قابل قدر ہے۔

امید کہ یہ ناقص کام بھی مفید ثابت ہوگا

فقط.........رضوان احمد قاسمی منورواشریف سمستی پور بہار۔ھندوستان۔

8۔دسمبر 2018ء مطابق 29 ربیع الاول 1440

ای میل......abuzeya@gmail.com

واٹس ایپ نمبر....00919899982268

قسط نمبر 1

دعوت وتبلیغ کوئی آج کی چیز نہیں بلکہ ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے طور پر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا ہے اور اسلامی تاریخ کے ہر صفحہ پر ایسے جیالوں کی تاریخ ثبت ہے جنھوں نے تمام تر نامساعد حالات کے باوجود فریضہ دعوت کی انجام دہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اس کے باوجود کسی داعی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہی کام نبیوں والا کام ہے۔ اسی طرح کسی داعی میں یہ ہمت نہ ہوسکی کہ انھوں نے اپنے طریقے سے ہٹ کر دوسرے انداز سے خدمت کرنے والوں پر زبان طعن دراز کیا ہو..... جبکہ آج کی مروجہ تبلیغی جماعت کے افراد اپنے طریقے کو نبیوں والا طریقہ بتاتے ہوئے ہرگز نہیں تھکتے۔ نیز دوسری تمام دینی خدمات کے طریقوں کو ہیچ اور کمتر سمجھتے ہیں اسی لئے میں نے ڈائریکٹ مولانا الیاس کے ملفوظات کو سامنے رکھ کر مروجہ تبلیغی جماعت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے کیونکہ مروجہ تبلیغی جماعت کے تمامتر کارنامے حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کی جانب منسوب ہیں جوکہ بالکل حق بجانب ہے اور موجودہ چلت پھرت کا تمام گشتی نظام یقیناً نظام الیاسی ہے۔ گویا یہ الیاسی جماعت ہے اور حضرت مولانا الیاس نے خود اپنی طرف سے ایک مفید طریقہ ہمارے درمیان متعارف کرایا ہے۔

تو آیئے دیکھتے ہیں کہ اس نئی جماعت کی داغ بیل ڈالنے والے حضرت مولانا الیاس صاحب نے اپنے ملفوظات میں کیا فرمایا ہے...... ملفوظات مولانا الیاس مرتبہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے صفحہ 23 پر 16 نمبر کا ایک ملفوظ ہے جس میں مولانا الیاس کا یہ ارشاد نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں جو کام کرتے تھے یعنی چل پھر کر

لوگوں کو دعوت حق دینا اور اس مقصد کیلئے خود ان کے پاس جانا... بظاہر مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ کام آپ کا نہیں رہا بلکہ وہاں آپ اپنا ایک مستقر بنا کر بیٹھ گئے لیکن یہ کام آپ نے اس وقت کیا جب مکی دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپ نے تیار کر دی الخ...

اس ملفوظ میں خاص طور پر اس پہ غور فرمائیے کہ بقول مولانا الیاس رسول اللہ کی مکی زندگی میں تو چلت پھرت والی دعوت ہے مگر مدنی زندگی میں ایسا نہیں بلکہ صرف نگرانی وسرپرستی ہے..

اب یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر محنتیں ایمان بنانے کی تھیں یا ایمان لانے کی؟ آپ کی دعوت کا محور مسلمان تھے یا غیر مسلم؟ اور آپ کی چلت پھرت اصلاح اعمال کے لیے تھی یا حلقہ ایمان میں داخل کرنے کے لیے؟ ظاہر ہے کہ ہر انصاف پسند یہی جواب دے گا کہ مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری محنتیں صرف اور صرف اسلام میں داخل کرنے کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ گویا مکی زندگی میں چلت پھرت والا نبوی کام غیر مسلموں کے درمیان ایمان کی دعوت دینا ہے نہ کہ مسلمانوں کے اعمال کی اصلاح ہے اسلئے مکی زندگی کو بنیاد بنا کر مروجہ تبلیغی جماعت اپنے آپ کو نبیوں والا کام کرنے والی نہیں کہہ سکتی۔ اور چونکہ خود صاحب ملفوظ نے مدنی زندگی کے تعلق سے یہ اعتراف کیا ہے کہ مدینہ طیبہ پہونچ کر یہ کام آپ کا نہیں رہا۔ اور جہاں تک بات سرپرستی ونگرانی کی ہے تو یہ بھی ایک دعویٰ محض ہے اور بہت سارے علماء کو اس دعویٰ کی حقیقت سے اختلاف ہے اس لئے سرپرستی کی بحث کو ابھی رہنے دیجئے اور صرف اتنا دیکھئے کہ مولانا الیاس ہی کے

بقول خود نبی کریم کا یہ چلت پھرت والا کام مدینہ میں نہیں تھا تو گویا مدنی زندگی میں بھی یہ چلت پھرت والی دعوت نبی کریم سے ثابت نہیں ہے لہٰذا جب مکی و مدنی دونوں زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج کی چلت پھرت کا سراغ نہیں ملتا تو پھر کس منہ سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ آج کل کی مروجہ تبلیغ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والی تبلیغ ہے؟

خیال رہے کہ موجودہ طریقہ کو نبوی طریقہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ زیر نظر ملفوظ کے تناظر میں بس یہی دکھلانا مقصود تھا۔

قسط 2

مروجہ تبلیغی جماعت کی طرف سے آئے دن کچھ ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مدارس میں تعلیم وتدریس۔ خانقاہی تزکیئے اور تصنیف وتالیف کوئی بڑی دینی خدمت نہیں۔۔ اصل دین کی خدمت تو موجودہ چلت پھرت کا نظام ہے۔ یہی محنت اصل محنت ہے اور جو کوئی بھی اس سے دور ہے وہ دین کی اہم ترین خدمت سے محروم ہے۔ پھر غضب بالائے غضب یہ ہے کہ اکثر جماعتی حضرات کا یہ نظریہ اب نظریہ نہیں رہا ہے بلکہ عقیدہ کی شکل اختیار کر چکا ہے ایسے میں لازماً ہمیں غور کرنا ہوگا کہ کیا اس قسم کا نظریہ کوئی آج کی پیداوار ہے؟ یا موجودہ نئی جماعت نے جب سے جنم لیا ہے تب سے ہی اس کا یہی نظریہ ہے؟ تو اس سلسلے میں بانئ جماعت حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کے ملفوظات میں عجیب طرح کا تضاد نظر آتا ہے۔ کسی ملفوظ میں اپنی جماعتی تحریک کو اور کسی میں خانقاہی تزکیہ کو افضل قرار دیتے نظر آتے ہیں اگرچہ اس طرح کی تضاد بیانی کسی بھی ہوشمند سے ہوسکتی ہے جبکہ

آپ تو مغلوب الحال تھے اور صرف ایک دھن نے آپ کو ایسا مجنوں بنا رکھا تھا کہ اس کے سامنے کسی بھی چیز کی اہمیت کا انکار بالکل مستبعد نہیں لیکن مجموعی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کے نزدیک تمام مدارس وخوانق کو ٹارگیٹ بنانا مقصود نہ تھا بلکہ خاص تھانوی گروپ کو سامنے رکھ کر ایسے ملفوظات ارشاد فرمائے ہیں چنانچہ پہلے آپ ان کا ایک ملفوظ پڑھیے .... فرماتے ہیں کہ *بعض حضرات کو ہماری اس دعوت ایمان کی گہرائیاں معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے لگاؤ نہیں ہے اور اس کے بجائے دین کے بعض ان احکام ومسائل کی ترویج کی کوشش کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں جن میں مسلمانوں سے کوتاہیاں ہورہی ہیں مثلاً........صاحب اور ان کے حلقہ کی نظر میں خاص طور پر شریعت کے فلاں فلاں احکام کی ترویج اور رسوم بد کی اصلاح بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تو ایسے حضرات کے ساتھ طریقہ عمل یہ ہونا چاہیے کہ میوات میں ان احکام ومسائل کی کوشش اور اصلاح رسوم کی سعی کے واسطے ہی ان کو اٹھایا جائے....

اس طرح ان حضرات کو تمہاری تبلیغی مہم کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھنے اور اس کے اثرات ونتائج کے مشاہدہ کرنے کا بھی موقع مل جائے گا اور پھر ان کو ان شاء اللہ اس طرف بھی توجہ ہوجائے گی..... ملفوظ نمبر 98. صفحہ 70 ملفوظات مولانا الیاس مرتبہ مولانا منظور نعمانی........اس ملفوظ میں گوکہ نام کی جگہ خالی ہے مگر آگے کے جملے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مراد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کا حلقہ اثر ہے گویا حضرت مولانا الیاس صاحب یہ چاہتے تھے کہ حضرت تھانوی اور ان کے متوسلین جن کاموں میں لگے

ہوئے ہیں وہ اپنے کام کے بجائے میری اس تحریک سے جڑ جائیں اوراسی پلیٹ فارم سے وہ اپنا کام بھی کرتے رہیں ۔چونکہ دیو بند وسہارنپور کے اکثر اہل مدارس ومکاتب حضرت تھانوی کے معتقد تھے اس لئے اس ملفوظ میں مولانا کا اشارہ ڈائریکٹ حلقہ تھانوی تھا اور چونکہ کھلم کھلا کہنا مناسب نہ تھا اس لیے مختلف انداز میں حلقہ تھانوی کو اپنی تحریک سے جوڑنے کی کوشش فرماتے تھے اسی لئے ایک دوسری جگہ صفحہ 51 پہ ملفوظ نمبر 56 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ (حضرت مولانا تھانوی نے بہت بڑا کام کیا ہے بس میرا دل یہ چاہتا ہے کی تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی.... مگر خیال رہے کہ مولانا الیاس صاحب کا یہ ملفوظ حضرت تھانوی کے انتقال کے بعد کا ہے جبکہ اوپر کا ملفوظ دوران حیات کا ہے کیونکہ مرتب ملفوظ حضرت نعمانی نے پہلے میں (صاحب) لکھا ہے جبکہ دوسرے میں (رحمۃ اللہ علیہ) کی صراحت کی ہے........ اور تاریخی اعتبار سے حضرت تھانوی کی وفات 1362 میں ہوئی جبکہ مولانا الیاس صاحب کی وفات 1363 میں ہے۔

اب قابل غور پہلو یہ ہے کہ جب حضرت مولانا الیاس نے اپنی چاھت ظاہر فرمادی تو پھر مروجہ تبلیغی جماعت میں کہیں نہ کہیں تو حضرت تھانوی کی تعلیم ہونی چاہیئے نا؟ ان کی کسی بھی تالیف کو جماعتی نصاب میں داخل کرنا چاہیے نا؟ مگر دور دور تک اس کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ کل نہ آج۔ جبکہ موجودہ فضائل اعمال کی تالیف بھی کوئی بعد کی نہیں ہے بلکہ فضائل صدقات کے ماسوا تمام رسائل حضرت شیخ زکریا نے حضرت تھانوی اور حضرت مولانا الیاس کی وفات سے

پہلے ہی لکھے تھے مثلاً رسالہ فضائل قرآن 1348 میں رسالہ فضائل تبلیغ 1350 میں رسالہ حکایات صحابہ 1357 میں رسالہ فضائل ذکراور رسالہ فضائل نماز 1358 میں لکھا تھا صرف فضائل صدقات کی تالیف 1366 سے 68 کے درمیان ہوئی ہے... ذرا سوچئے کہ اگر واقعی حضرت مولانا الیاس صاحب کی چاہت یہ تھی کہ تعلیم حضرت تھانوی کی ہو تو پھر ان تمام رسائل کے ساتھ حضرت تھانوی کا بھی کوئی رسالہ مثلاً اصلاح الرسوم وغیرہ اسی مجموعہ میں شامل کرنا چاہئے تھا جو آجکل فضائل اعمال سے موسوم ہے جبکہ اس کا قدیم نام تبلیغی نصاب تھا الغرض ایسا لگتا ہے کہ حلقہ تھانوی کو محض قریب کرنے کے لیے کچھ ایسے ارشادات زیر لب آگئے ہیں ورنہ اصل مقصد یہ تھا کہ ہماری چلائی ہوئی تحریک عام ہو اور مدارس کے علماء وطلبہ ہوں یا خانقاہوں کے سجادہ نشیں۔ ہر ایک اسی تحریک سے جڑ جائیں۔۔ لہذا آج اگر مدارس وخانقاہ کے تعلق سے اہل جماعت کا نظریہ اچھا نہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ تو اوپر سے چلتا چلا آرہا ہے۔

قسط نمبر 3

آج اگر مدارس وخانقاہ کے تعلق سے اہل جماعت کا نظریہ اچھا نہیں ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ نظریہ تو اوپر سے چلتا چلا آرہا ہے...... مگر اوپر سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت نہیں آسکی تھی اس لیے لگے ہاتھوں یہ وضاحت بھی ملاحظہ فرمالیجیے کہ اوپر سے مراد کوئی بہت زیادہ اوپر نہیں بلکہ خود بانی جماعت حضرت مولانا الیاس کاندھلوی ہیں کیونکہ آپ نے اپنے ایک ملفوظ میں صاف صاف اعتراف کیا ہے کہ تعلیم و تعلم کا جو طریقہ

آجکل رائج ہے مثلاً مدارس ومکاتب یا تصنیف وتالیف... یہ سب کی سب بعد کی پیداوار ہیں اور وقت کے تقاضوں سے ان سب کا وجود ہوا ہے ورنہ تو تعلیم و تعلم کا اصل طریقہ تو وہ ہے جسے میں نے شروع کیا ہے اور یہی طریقہ دور رسالت کا طریقہ ہے... ممکن ہے بہت سارے ناظرین میرے اس دعویٰ کو مبالغہ آرائی پہ محمول کریں اس لئے آیئے سب سے پہلے لب الیاس سے پھوٹ پھوٹ کر نکلنے والے درآبدار (ملفوظ) سے نگاہیں چار کیجئے۔ حضرت کا ارشاد ہے کہ..... دین کی عمومی تعلیم وتربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھا اور اسی طرز سے وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا بعد میں جو اور طریقے اس سلسلے میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ۔

سو ان کو ضرورت حادثہ نے پیدا کیا مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو بالکل بھلا دیا ہے حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی پیمانے پر تعلیم وتربیت صرف اسی طریقہ سے دی جاسکتی ہے۔

(ملفوظات مولانا الیاس صفحہ 64 ملفوظ نمبر 84)

یہ ہے ہمارے حضرت کا وہ ملفوظ۔ جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ نظریہ تو اوپر سے چلتا چلا آرہا ہے.... البتہ غور کرنے والا اگر بنظر غائر اس ملفوظ کو دیکھے اور دوسری قسط میں حلقہ تھانوی سے متعلق جو تجزیہ آچکا ہے اسے سامنے رکھے تو یقیناً اس ملفوظ کا محور بھی حضرت تھانوی ہی کو باور کرے گا ورنہ تصنیف وتالیف کا ذکر پہلے اور کتابی تعلیم کا ذکر بعد میں آخر کیوں ہے؟

اسی لئے نا؟ کہ ان کے دور میں تصنیف وتالیف کے باب میں صرف حضرت تھانوی کو یدطولی حاصل تھا اور انھوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ جو تجدیدی مشن چھیڑ رکھا تھا اسے حضرت مولانا الیاس کاندھلوی بہت زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔

جہاں تک بات کتابی تعلیم کو ضرورت حادثہ کی پیداوار کہنے کی ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد مدارس وجامعات میں رہ کر کتابی تعلیم حاصل کرنا ہے ورنہ علی ال اِطلاق اگر کتابی تعلیم کو ضرورت حادثہ مانا جائے تو خود صاحب ملفوظ بھی کہاں محفوظ رہ سکیں گے؟ کیوں کہ شیخ زکریا کے رسالہ جات (فضائل اعمال) کی تعلیم تو خود حضرت والا کی نئی جماعت کا اولین منشور ہے بلکہ خود آپ بھی تو اسی کتابی تعلیم کی پیداوار ہیں...اب ایسے میں یہ کتنا مضحکہ خیز ملفوظ ہے کہ خود جن مدارس میں تعلیم پا کر جواں ہوئے ہوں...اور خود کے آباؤ اجداد نے جن مدارس وجامعات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہو آج انہیں کے خلاف زور دار لب کشائی ہے.. بلکہ اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز تو یہ ہے کہ خود حضرت والا نے اپنی چلت پھرت والی دعوت کے تعلق سے اعتراف کر رکھا ہے کہ رسول اللہ کی مدنی زندگی میں یہ چیز نہ تھی پھر یہ کیسی تضاد بیانی ہے کہ کہیں اثبات ہے کہیں انکار.......مگر ہاں۔ جب حضرت والا کی تحریک کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھیں گے کہ جن دنوں خانقاہ تھانوی نے ایک انقلاب برپا کر رکھا تھا اور ہزاروں کے نفوس امارہ بھی آستانہ تھانوی پہ جبہہ سائی کر رہے تھے انہیں دنوں حالات نے کروٹ لئے اور بنگلہ والی مسجد کی خانقاہ کو زینت بخشنے کا موقع ہاتھ آ گیا.... پھر کیا تھا حضرت والا نے بھی وہی پیری مریدی کا انداز اپنا لیا اور طرح طرح کے الہامات کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ ایسے میں ہر دعوے قابل قبول اور ہر متضاد ملفوظ بھی لائق محفوظ ہونگے ۔

قسط 4

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کا مظاہر علوم سے مستعفی ہو کر بنگلہ والی مسجد میں قیام پذیر ہونا اس لئے نہیں تھا کہ کوئی نئی تحریک چھیڑنی ہے بلکہ اس وقت تو صرف اتنی سی بات تھی کہ والد صاحب (مولانا اسماعیل) اور بھائی صاحب (مولانا محمد) کی جانشینی کرنی ہے یعنی مدرسہ کا اہتمام اور مسجد کی امامت سنبھالنی ہے لیکن مدرسہ چلانا کوئی آسان تو ہے نہیں کہ بس مسند پہ رونق افروز ہوں اور تمام کام انجام پاتے رہیں بلکہ اس کے لیے تو در در کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور سخت وسست الفاظ کے نشتر سہنے پڑتے ہیں اس لیے آپ نے اپنی سجادگی و صاحبزادگی کے عطیہ خداوندی کو بیعت وارشاد کی ڈگر پہ ڈال دیا تا کہ اپنے دونوں پیشرو کے مشن کو آگے بڑھانا آسان ہو.....خیال رہے کہ خود آپ کے داماد و بھتیجے حضرت شیخ زکریا نے اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ..... چچا جان کا نظام الدین میں جب پیری کا دور شروع ہوا تو ماموں لطیف مرحوم ایک رمضان میں نظام الدین حاضر ہوئے الخ..(ملفوظات شیخ الحدیث صفحہ 148)

حضرت شیخ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کا نظام الدین جانا پیر صاحب کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ یہ سلسلہ بعد میں شروع ہوا ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ آپ اس کے بجا طور پر حقدار تھے.... بہر حال جب تک ایک مہتمم یا امام کی حیثیت تھی اس وقت تک نہ تو مروجہ طریقہ تبلیغ تھا اور نہ ہی طرح طرح کے متضاد دعوے. لیکن جونہی آپ نے دوسری خانقاہوں سے متاثر ہو کر یا اپنے قلبی داعیہ کے طور پر اس

میدان میں قدم رکھا۔ مروجہ طریقہ تبلیغ کی کرامت ظاہر ہونے لگی۔۔۔۔ کیونکہ ناظرین کو شاید یہ اندازہ نہ ہو کہ مروجہ طریقہ تبلیغ کوئی زمینی چیز نہیں بلکہ خالص آسمانی ہے۔ کسی پیشرو کی تقلید میں نہیں بلکہ آسمانی ھدایات سے یہ طریقہ وجود میں آیا ہے اور حضرت مولانا کے علوم ومعارف بھی براہ راست آسمانی ہیں چنانچہ خود حضرت مولانا الیاس کا ارشاد ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ (بعض لوگوں کو خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے کہ ریاضت ومجاھدہ سے نہیں ہوتی کیونکہ انہیں خواب میں علوم صیحہ کا اِلقاء ہوتا ہے جو کہ نبوت کا حصہ ہے۔۔۔۔۔ پھر آگے فرمایا۔۔۔۔۔۔ آجکل خواب میں مجھ پر علوم صیحہ کا اِلقاء ہوتا ہے۔۔۔۔ اور اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا ہے۔۔۔۔۔ (ملفوظ نمبر 50 صفحہ نمبر 45)

حضرت مولانا کے اس ملفوظ کو سامنے رکھتے ہوئے کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ تبلیغ کا مروجہ طریقہ بھی الہامی ہے اور اس کی تشریح بھی الہامی؟

نیز تھوڑی دیر کے لئے آپ پیچھے پلٹیئے اور دارالعلوم دیوبند کے بارے میں حضرت قاری طیب صاحب رح کا یہ رس گھولتا ہوا جملہ بھی دہرا لیجیے کہ دارالعلوم ایک الہامی ادارہ ہے اور اس کا منشور بھی الہامی ہے اور اسی الہامی ادارے کے سرپرست تھے حضرت تھانوی۔ اب ایسے میں اگر کوئی شخص غیر جانبدار ہو کر تجزیہ کرے گا تو کیا وہ تشویش میں مبتلا نہیں ہوگا؟ خیر۔ حضرت کے اس مذکورہ ملفوظ سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ مروجہ طریقہ تبلیغ ہو یا اس کی تشریح۔ یہ دونوں کے دونوں کراماتی ہیں اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نے اپنی کرامت یعنی مروجہ طریقہ تبلیغ کا کچھ ایسا بھی مقصد بیان کیا ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے۔۔ مثلاً کون نہیں جانتا

کہ جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالاً ماننا تو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے مگر کیا جمیع ماجاء بہ النبی کو عملی زندگی میں لے آنا تاریخ اسلامی کے کسی بھی دور میں ہوا ہے؟ یا ہو سکتا ہے؟

نہیں ہر گز نہیں بلکہ ہر دور کے لوگ عملی طور پر بعض ماجاء بہ النبی کے مکلف رہے ہیں خود صحابہ کرام کو لیجیئے تو ہر صحابی بھی جمیع ماجاء بہ النبی سے واقف نہیں تھے کوئی کسی فرمان سے لاعلم ہیں کوئی کسی سے۔ اسی لئے قرآنی آیت یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ کی تفسیر پڑھ ڈالئے۔ کہیں بھی آپ کو علمی و عملی دونوں اعتبار سے جمیع ماجاء بہ النبی کا مکلف ہونا نظر نہیں آئے گا کیونکہ عقیدہ ہونا اور بات ہے اور عمل کرنا اور بات۔۔۔ کوئی بھی انسان پوری شریعت کو اجمالاً تو مان سکتا ہے مگر عملی طور پر بھی پوری شریعت کو اپنی زندگی میں داخل کر لے۔ ممکن نہیں۔۔۔۔۔ اس کے باوجود چونکہ مروجہ طریقہ تبلیغ ایک کرامت اور الہامی شئ ہے اس لیے حضرت والا نے اپنے ایک ملفوظ میں یوں ارشاد فرمایا کہ۔۔۔ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے تمام مسلمانوں کو جمیع ماجاءبہ النبی سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا۔ یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔۔۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گو یا ہمارے پورے نصاب کی الف باء تاء ہے۔۔۔ (ملفوظات مولانا الیاس ملفوظ نمبر 24 صفحہ 29)

حضرت نے اس ملفوظ میں تبلیغی گشت اور چلت پھرت کی حیثیت بھی متعین فرما دی ہے کہ اس کی پوزیشن محض ابتدائی ذریعہ اور آلہ کی ہے اس کے باوجود آج ہمارے دوستوں کا یہ اصرار ہے کہ اس چلت پھرت کی حیثیت فرض عین کی ہے۔ فیاللعجب

قسط 5

جماعتی احباب خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے ہر ایک کے بیانات میں جہاد وقتال کی آیات وواقعات کو تبلیغی چلت پھرت پہ محمول کرنا ایک عام سی بات ہے اور یہی تاثر دینے کی کوشش ہر ایک کی رہتی ہے کہ جہاد بالسیف کی جو فضیلتیں ہیں وہ سب کی سب تبلیغی خروج پہ بھی منطبق ہوتی ہیں....ظاہر ہے کہ یہ سراسر تحریف ہے اور اپنے مقصد کے لیے قرآن وحدیث کو بدلنا ہے گویا خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔

خود میں نے تبلیغی اکابر سے علی الاعلان اسلامی غزوات کو توڑ مروڑ کر اس طرح بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ الامان والحفیظ....

دہلی قصاب پورہ کے سالانہ اجتماع میں مولانا سعد صاحب کو دیکھا کہ غزوہ تبوک کے لئے نکلنے کو جماعت میں نکلنے سے تعبیر کر رہے ہیں اور بھولے سے بھی غزوہ یا جہاد کا ذکر نہیں فرما رہے ہیں۔ اسی طرح ہر چھوٹی بڑی مجلس میں تبلیغی احباب کا یہی معمول ہے جسے خود میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے مشاہدہ کیا ہے.....گویا تبدیل وتحریف کا ایک عمومی مزاج بن چکا ہے اور اسی تحریف شدہ اسلام کو حقیقی اسلام کا عنوان دے کر پورے عالم میں پھیلایا جا رہا ہے۔ گناہ کو نیکی۔ برائی کو اچھائی اور کار حرام کو کار ثواب بتا کر چلت پھرت کا پورا نظام چل رہا ہے اس لیے آیئے ذرا غور کرتے ہیں کہ اس خرابی کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ جہادی اسفار کو مروجہ تبلیغی اسفار کس نے کہا؟ اور تحریف وتغییر کی یہ داغ بیل کس نے ڈالی؟ تو آپ حیرت کریں گے کہ بانی جماعت حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رح کے جن ملفوظات کو حضرت مولانا منظور نعمانی نے جمع کر کے ملفوظات

مولانا الیاس کا نام دیا ہے اسی میں بانی جماعت کا ایک ملفوظ یہ بھی ہے کہ... یہ سفر غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لئے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے یہ اگرچہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے۔ جو بعض حیثیات سے اگرچہ قتال سے کمتر ہے لیکن بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلی ہے... (ملفوظ نمبر 93 ص 68.67)

لیجئے اب تو سارا غبار چھٹ چکا کہ جب بانی جماعت ہی سفر تبلیغ کو سفر غزوات کا ایک فرد قرار دیتے ہیں اور غازیوں کے لیے منجانب اللہ جو اجر و فضیلت متعین ہے اس کے حقدار تبلیغی رہ نوردوں کو بھی ٹھہراتے ہیں تو اب باقی ہی کیا رہا؟

حضرت والا کا تقدس اپنی جگہ۔ آپ کی فنائیت و مغلوبیت بھی مسلم۔ اور آپ کی ولایت وللّٰہیت پر بھی کوئی انگشت نمائی نہیں... لیکن کیا یہ حقیقت نہیں؟ کہ حضرت والا کے اسی ملفوظ کا نتیجہ ہے کہ تحریف معنوی کا دروازہ علی الاعلان کھول دیا گیا ہے اور جہاد و غزوات کے اسفار میں قدم قدم پہ جن ثوابوں کا وعدہ ہے ان سب کو جماعتی احباب نے اپنے کھاتے میں ڈال رکھا ہے.. ذرا غور فرمایئے کہ جہاد میں تو زندگی کی متاع عزیز کا سودا ہے۔ اور تبلیغ میں فاقہ کشی بھی نہیں۔ جہاد کے ہر سفر میں اپنی جان کے لالے ہیں اور تبلیغ کے کسی سفر میں جان کا مسئلہ نہیں۔ جہاد کا مقصد اِعلاء کلمۃ اللہ ہے اور تبلیغ کا مقصد ایمانی طلب پیدا کرنا ہے... بھلا ایسے میں دونوں کے درمیان کیا مناسبت؟ پھر بھی حضرت والا کا یہ ارشاد ہے کہ دونوں سفر کی خصوصیات ایک ہیں.... یقیناً عقل و خرد سے بالاتر ہے.... اور اگر بفرض محال دونوں کی خصوصیات ایک ہی ہوں تو بھی کیا محض خصوصیات کے ایک ہو جانے سے دو الگ الگ اشیاء کا حکم و مقام ایک

ہوجائے گا؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا بھی حکم ایک ہونا چاہیے کیونکہ دونوں سے غرباء کا تکفل ہے اسی طرح زکوۃ وصدقہ فطر دونوں کے دونوں تطہیر ہی کے لیے ہیں ایک سے مال کی تطہیر ہے تو دوسرے سے روزے کی تطہیر ہے گویا دونوں کی خصوصیات ملتی جلتی ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو زکوٰۃ سے زیادہ اہمیت صدقہ فطر کی ہے اس کے باوجود زکوٰۃ تو فرض ہے مگر صدقہ فطر واجب...... آخر کیوں؟ اسی لئے نا... کہ شریعت نے دونوں کو الگ الگ مقام دیا ہے لہذا خصوصیات کی یکسانیت کو مت دیکھئے اور اپنی عقل وخرد سے دو الگ الگ چیزوں کو ایک نہ بنائیے ورنہ تو کسی بھی حکم شرعی کی پھر خیر نہیں خیال رہے کہ نفس کشی اور خواہشات کی پامالی یقیناً ایک افضل چیز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاں جہاں بھی نفس کشی کا تصور ہوگا ان سب کا حکم ایک ہوجائے گا۔ ذخیرہ احادیث میں یہ جملہ ضرور منقول ہے کہ رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الا كبر لیکن اس روایت کو امام نسائی اور حافظ ابن حجر نے ارشاد رسول ہی ماننے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک تابعی ابراہیم ابن ابی عبلہ کا مقولہ ہے۔ **(الفتح السماوي للمناوی ج2 ص 851)**

البتہ علامہ سیوطی نے معمولی تغیر کے ساتھ اسے ارشاد رسول مانا ہے مگر اس کی سند میں تین تین راوی حد درجہ ضعیف ہیں.... الغرض مذکورہ بالا جملے کی حقیقت اس لئے بیان کردی گئی ہے تاکہ ہمارے جماعتی احباب کہیں اسی سے استدلال نہ کر بیٹھیں۔

قسط 6

اوپر جو ملفوظ پیش کیا گیا تھا اس میں جہاد بالسیف اور دعوتی سفر دونوں کا درجہ ایک ہی بتلایا گیا

تھا بلکہ بعض حیثیات سے دعوتی سفر کو جہاد بالسیف کے سفر سے بھی افضل ٹھہرایا گیا تھا.....
جو کہ ظاہر شریعت کے مطابق سراسر تحریف ہے......مگر سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مولانا
الیاس صاحب کوئی ناخواندہ تھے؟ شریعت اسلامیہ کے احکام سے ناواقف تھے؟ کیا انہیں
پتہ نہ تھا کہ اس طرح کی سوچ بالکل غلط ہے؟ یا انھوں نے بالقصد اس تحریف کا دروازہ کھولا
تھا؟ اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی دعوتی تحریک کو مدلل ومبرھن کرنے کے لیے اس
طرح ارشاد فرمایا تھا؟ تو راقم سطور کا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر بشری تقاضوں سے صرف نظر
کرلیا جائے اور معاصرانہ اونچ نیچ سے چشم پوشی برتی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سلسلے میں
حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رح کسی طرح بھی مطعون ہوں۔ کیونکہ آپ کے
احوال ہی مختلف تھے اور آپ اس باب میں ایسے مجذوب قلندر تھے کہ بڑے بڑوں کو بھی
محض آپ کی حالت دیکھ کر سکوت اختیار کرنا پڑا تھا۔ وہ اکابر جانتے تھے کہ مولانا الیاس
صاحب اپنے ایجاد کردہ طریقہ تبلیغ میں غلو سے کام لے رہے ہیں اور بیجا تشدد برت رہے ہیں
لیکن چونکہ کام اچھا تھا نفع کی امید زیادہ تھی اور ایک صاحب نسبت بزرگ عالم دین نے
اسے شروع کیا تھا اس لیے وقت کے اکابر نے اغماض سے کام لیا ورنہ ایسا نہیں ہے کہ
حضرت مولانا الیاس کے دور میں اکابر دیوبند کی مکمل تائید حاصل تھی۔ چنانچہ اکابر دیوبند کی
اولین فہرست میں شامل حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے براہ راست مولانا الیاس کو
جو کچھ کہا تھا اسے ایک بار ضرور پڑھئے کہ حضرت میرٹھی نے حضرت کاندھلوی سے فرمایا
کہ... **تبلیغ تو سر آنکھوں پر۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس کے ضروری ہونے میں بھی اور**

مفید ہونے میں بھی۔مگر جتنا غلو آپ نے اختیار کرلیا ہے یہ اکابر کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔آپ کا اوڑھنا بچھونا سب تبلیغ ہی بن گیا ہے۔آپ کے یہاں نہ مدارس کی اہمیت ہے نہ خانقاہوں کی۔(اس پر حضرت کاندھلوی نے غصہ میں فرمایا کہ) جب ضروری آپ بھی سمجھتے ہیں تو آپ خود کیوں نہیں کرتے؟ اور جب کوئی کرتا نہیں تو مجھے سب کے حصے میں فرض کفایہ ادا کرنا ہے (دونوں بزرگوں کے درمیان جب تیز کلامی ہونے لگی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نے حضرت میرٹھی کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ) حضرت یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میں ان سب اشکالات میں آپ کے ساتھ ہوں.....البتہ چچا جان غلبہ حال سے مجبور ہیں۔۔۔۔۔(**ملفوظات شیخ الحدیث ص46.45**)

یہ ایک لمبا واقعہ ہے جسے حضرت شیخ الحدیث نے تفصیل سے نقل کیا ہے.....اب ذرا مذکورہ اقتباسات پہ غور فرمایئے اور یہ بھی خیال رکھیئے کہ حضرت میرٹھی بھی اسی آستانہ گنگوہی کے تراشیدہ ہیں جس سے حضرت کاندھلوی کندن بنے ہیں اس کے باوجود حضرت میرٹھی کا اعتراض کیا ہے؟ یہی نا؟ کہ آپ کے نزدیک نہ مدارس کی اہمیت ہے نہ خانقاہوں کی... پھر حضرت کاندھلوی نے اپنی تحریک کو فرض عین کے بجائے فرض کفایہ کہا ہے جبکہ آج کل تبلیغ میں نکلنے کو بعض لوگ فرض عین کہتے ہوئے نہیں تھکتے.....مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ جن کی فضائل اعمال پر آج پوری جماعت کو ناز ہے ان کا بھی ارشاد یہی ہے کہ.....حضرت میں ان سب اشکالات میں آپ کے ساتھ ہوں.......البتہ معاملہ کو ختم کرنے کے لیے حضرت شیخ نے جو توجیہ کی ہے ذرا اس پہ بھی دھیان دیجئے کہ حضرت شیخ نے اپنے چچا و خسر

حضرت کاندھلوی کو غلبہ حال سے مجبور قرار دیا ہے جوکہ سو فیصد حقیقت واقعہ ہے۔
اسی لیے حضرت کاندھلوی کے ملفوظات میں ایسے ارشادات بھی موجود ہیں جن کو یا تو غلو کے اعلیٰ درجہ پر فائز مانیئے یا مغلوبیت والا فرمان کہہ کر گذر جایئے مثلاً حضرت کاندھلوی اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ... زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ حرام تھا ہدیہ حرام نہ تھا۔ اوراگرچہ زکوٰۃ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ جاتا ہے جیسے سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے مگر ابتدائے سلام جواب سے بہتر ہے اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے مگر اس کا ثمرہ تطہیر مال ہے اور ہدیہ گو مستحب ہے مگر اس کا ثمرہ تطییب قلب مسلم ہے تو ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے..... (کچھ آگے چل کر اسی ملفوظ میں یہ بھی ہے کہ) صحیح مصرف زکوٰۃ وہ ہے جس میں زکوۃ کا روپیہ لینے سے طمع مال پیدا نہ ہو الخ (ملفوظات مولانا الیاس صفحہ 47 ملفوظ نمبر 51)
لیجئے فرض کا درجہ مستحب سے کمتر ہو گیا کیونکہ زکوٰۃ سے تو مال پاک ہوتا ہے جبکہ ہدیہ سے مسلمان کا دل خوش ہوتا ہے.... حالانکہ ہدیہ میں یہ قید ہی کہاں ہے؟ کہ صرف مسلمانوں کو ہی ہدیہ دینا ہے.. کیا غیر مسلم کو ہدیہ نہیں دیا جاسکتا؟ علاوہ ازیں فرض تو فرض ہے اس سے برتر کوئی اور حکم کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا حکیم مطلق خدائے پاک کو یہ معلوم نہ تھا کہ ثمرہ کے اعتبار سے کون افضل ہے کون نہیں؟ جو افضل تھا اسی کو فرض کرنا چاہیے تھا کیونکہ حکمت مطلقہ کا یہی تقاضا ہے..... ہائے ہائے۔ قلب مسلم کی خوشنودی تو سامنے رہی مگر کیا کسی فرض کی ادائیگی سے اللہ کی خوشنودی حاصل نہیں ہوتی؟ پھر اس فریضہ زکوٰۃ کو قیاس بھی کیا تو کس پہ کیا؟

ایک ایسی سنت پہ جس کو خود زبان رسالت نے افضل قرار دے رکھا ہے..
اور کمتر و برتر کا بھی معیار بنایا ہے تو ثمرات ونتائج کو.. حالانکہ ثمرات ونتائج ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ انہیں معیار بنایا جائے. ہمارا کام تو صرف اپنی ذمہ داری نبھادینی ہے اور بس....
نیز مصرف زکوٰۃ کے تعلق سے جو ارشاد ہے کہ اگر کسی شخص میں زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے حرص وطمع پیدا ہو تو وہ مصرف زکوٰۃ نہیں..... گویا.... زکوٰۃ لینے کے لیے بھی وقت کا ولی ہونا ضروری ہے ورنہ تو حرص وطمع کا پیدا ہونا تو فطری چیز ہے یہی ایک ملفوظ نہیں بلکہ خزانہ ارشادات میں کچھ اور بھی ایسے موتی ہیں جن کی چمک سے اگر کوئی مبہوت نہیں ہے اور الفاظ کے ظاہر پہ حکم لگانا چاھتا ہے تو غلبہ حال پہ محمول کئے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔ مثلاً حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں کہ...... مجھے اپنے چچا جان سے تبلیغ کے بارے میں کئی چیزوں میں اختلاف تھا مگر وہ فرماتے تھے کہ جتنا تبلیغ کا یہ مخالف ہے اور کوئی نہیں لیکن اس کے باوجود جتنا نفع اس سے پہونچا اور کسی سے نہیں (ملفوظات شیخ الحدیث ص 253)..... یہاں حضرت کاندھلوی نے حضرت شیخ کے بارے میں کتنا واضح اعتراف کیا ہے کہ جتنا نفع اس سے پہونچا ہے کسی اور سے نہیں پہونچا..... جبکہ ایک مکتوب میں حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کو یوں فرماتے ہیں کہ...... آنمحترم کی توجہات عالیہ سے تبلیغ کو جس قدر نفع پہونچا ہے اب تک لگنے والوں میں سے کسی سے نہیں پہونچا..
بندہ محمد الیاس غفرلہ 27 اکتوبر 43ء (مکتوبات مولانا الیاس مرتبہ علی میاں ندوی ص 82)
اب کیا کہا جائے. یہی نا کہ حضرت تو مغلوب الحال تھے اس لیے کبھی شیخ زکریا کے لیے یہ

بات فرمائی اور کبھی حضرت علی میاں ندوی کے لیے۔

قسط نمبر 7

حضرت کاندھلوی کے غلبہ حال ہی کا نتیجہ تو ہے کہ اپنی چلائی ہوئی تحریک کے سامنے ہر دینی خدمت کو ہیچ اور کمتر جانتے بلکہ غیر ضروری گردانتے ہوئے بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ وہ علماء وفضلاء جن کی گود سے آپ نے سب کچھ پایا تھا ان کو بھی اپنی تحریک کا حصہ بنانے کے لئے کوشاں رہتے۔ جن مدارس کے احاطے میں پل بڑھ کر جوان ہوئے تھے اور جن خانقاہوں سے منازل سلوک طے کئے تھے ان سب کے لیے حضرت کاندھلوی کی یہی تمنا تھی کہ یہ سب میری خانقاہیت تسلیم کرلیں۔ میرے طریقہ تعلیم کو اپنالیں اور میرے طریقہ ریاضت سے مجاہدہ شروع کریں۔ کیونکہ مولانا کے خیال میں ان کی اپنی تحریک ہی اصل اور بنیادی تحریک ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ... ہمارا کام دین کا بنیادی کام ہے اور ہماری تحریک درحقیقت ایمان کی تحریک ہے۔ آجکل عام طور سے جو اجتماعی کام ہوتے ہیں ان کو کرنے والے ایمان کی بنیاد کو قائم فرض کر کے امت کے اوپر کی تعمیر کرتے ہیں اور اوپر کے درجے کی ضروریات کی فکر کرتے ہیں ہمارے نزدیک امت کی اول ضرورت یہی ہے کہ ان کے قلوب میں پہلے صحیح ایمان کی روشنی پہونچ جائے (ملفوظات مولانا الیاس ص 66۔67۔ملفوظ نمبر 90) اس ملفوظ میں حضرت نے ایک دعویٰ یہ کیا ہے کہ ہمارا کام دین کا

بنیادی کام ہے۔۔۔۔جبکہ دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ ہماری تحریک درحقیقت ایمان کی تحریک ہے۔ اور پھر تیسرے دعویٰ میں سبھی تحریکات کو حرف غلط کی طرح بیکار اور فضول ٹھہرا دیا ہے۔۔۔اس لئے آیئے حضرت والا کے تینوں دعووں کا تجزیہ بھی کرتے چلیں۔۔۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ مروجہ طریقہ تبلیغ کیا واقعی دین کا بنیادی کام ہے؟ تو محض اچٹتی نگاہوں سے بھی دیکھنے والا یہ فیصلہ کر دے گا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ مروجہ طریقہ تبلیغ ہرگز بنیادی کام نہیں۔ ورنہ خود سوچئے کہ حضرت کاندھلوی نے جب یہ طریقہ ایجاد کیا تو یقیناً ان سے پہلے یہ طریقہ نہیں رہا ہوگا اور جب یہ طریقہ نہیں تھا تو پھر آپ یعنی حضرت کاندھلوی یا آپ کے آباؤ اجداد میں دین کی بنیاد قائم تھی یا نہیں؟ آخر آپ کے اندرون دین کی بنیاد کہاں سے آئی؟ اور آپ کے اکابر میں دینی شعور کہاں سے بیدار ہوا؟ ظاہر ہے کہ وہ مدارس کی ٹوٹی چٹائی اور خانقاہوں کی بوریہ نشینی تھی جہاں سے آپ کو دین کی بنیاد ملی۔ اور آپ کے اکابر کو شعور و آگہی نصیب ہوئی۔۔۔۔تو دین کا بنیادی کام وہ ہوا نہ کہ آپ کا نیا طریقہ۔ اور دین کی اساس مدارس وخوانق سے قائم ہے نہ کہ حضرت والا کے محدث طریقے سے۔۔۔۔۔

اب دوسرے دعویٰ کو دیکھئے کہ۔۔۔۔ ہماری تحریک درحقیقت ایمان کی تحریک ہے۔۔۔ کیا یہ دعویٰ سراسر مضحکہ خیز نہیں؟ کہ تحریک تو ہوا ایمان کی اور محنت ہوا اعمال پہ؟ ایمان کی تحریک اہل ایمان میں نہیں۔ غیروں میں چلتی ہے جبکہ آپ کی ساری تگ ودو۔ اور چلت پھرت کا محور صرف اور صرف اہل ایمان ہیں۔ کبھی بھولے سے بھی غیروں کی طرف قدم نہیں اٹھتا۔ پھر یہ کیسے ایمان کی تحریک ہوئی؟ ایمان بنانا اور ہے۔ ایمان میں لانا اور ہے۔ ایمان بنانے

کی تحریک کو تحریک اعمال کہا جائے گا اور ایمان میں لانے کی تحریک کو تحریک ایمان.. مگر کیا کہئے کہ ع ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنو

اب آیئے تیسرے اور سب سے اہم دعویٰ کی طرف.. کہ مثلاً مدارس میں جو اجتماعی کام ہو رہا ہے۔ دور دراز کے طلبہ ایک احاطہ میں رہ کر جو دین سیکھ رہے ہیں اور وہاں کے اساتذہ و معلمین جو اجتماعی محنت کر کے دیندار بنا رہے ہیں یہ سب کا سب حضرت کاندھلوی کے بقول ایک سراب ہے اور ریت کے تودے سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں کیوں کہ بقول حضرت والا دین کی بنیاد ہی ابھی قائم نہیں بس ان لوگوں نے بنیاد قائم ہونے کو فرض کر لیا ہے اور اسی فرضی بنیاد پر اوپر کی تعمیر کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ جس طرح ریت کے تودوں کو کوئی قرار نہیں اسی طرح ان اجتماعی محنتوں کو بھی کوئی قرار وثبات نہیں کیوں کہ یہ محنتیں محض ایک فرض فارض ہیں انداز ہ کیجئے ان جملوں کی خطرناکی کا...اور اپنے ضمیر میں جھانک کر دیکھئے ان کے عواقب وانجام کو........ کہ جب اہل مدارس کی خدمات ہی فرضی ہیں اور دوسری اجتماعی محنتوں کی بنیاد ہی نہیں ہیں تو پھر ان کے لئے سرمایہ لگانا بھی فضول ہوگا اور ان کے قیام ودوام کی فکر کرنا بھی فعل عبث ٹھہرے گا.....شاید اسی لئے حضرت والا نے زکوٰۃ دینے کے بجائے ہدایا دینے پہ زیادہ زور دیا ہے جیسا کہ چھٹی قسط میں اس کا ذکر آچکا ہے... گویا حضرت کاندھلوی کے نزدیک پہلے چلت پھرت کی تحریک سے جڑیئے پھر قیام مکاتب ومدارس کی فکر کیجئے۔ اور ایسا بھی نہیں کہ یہ میرا اپنا تجزیہ ہے بلکہ حضرت نے ایک جگہ اس کی صاف صاف صراحت بھی کردی ہے چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں املاء کراتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ.... مکتب کے بارے میں ایسی کشمکش کی میں رائے رکھتا ہوں کہ اس کو بغیر تفصیلی گفتگو اور صحبت کے زبان سے نکالنے کو میرا جی نہیں چاہتا. میری دلی خواہش ورغبت یہ ہے کہ اس میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ مکتب جس قدر جذبات سے چل سکتے ہیں وہ ابھی بہت بعید ہے ابھی ایک طویل مدت تک صرف اسی تبلیغ پر اقتصار کر کے استقامت اور ترقی فرماتے رہیں استعداد عمومی جب پیدا ہوجائے اور اسلام کی رغبت پر کم سے کچھ ترقی کرنے لگیں تو اللہ چاہے تھوڑی کوشش میں بہت سے مدارس ہوسکیں گے بہر حال میری رائے میں ابھی قبل از وقت ہے. (مکتوبات مولانا الیاس ص 20 مرتبہ علی میاں ندوی رح)

دیکھ لیا آپ نے... کہ یہ میرا اپنا تجزیہ نہیں بلکہ خود حضرت والا کی رائے ہے جبکہ مکاتب میں چونکہ بنیادی تعلیم ہوتی ہے اس لیے اسے تو فرض عین کا درجہ حاصل ہے البتہ اوپر کی تعلیم والے عام مدارس کا وہ درجہ نہیں اس کے باوجود حضرت کے غلبہ حال نے مکاتب کے ساتھ بھی رعایت برتنے کی اجازت نہ دی.....

قسط 8

جماعتی احباب کی زبانی طرح طرح کے فضائل سننے کو ملتے ہیں. گشت کرنے کے الگ فضائل. خروج وہجرت کے الگ فضائل اور تکالیف وصعوبت برداشت کرنے کے الگ فضائل. ظاہر ہے کہ ایسے میں کسی بھی مسلمان کا متاثر ہونا ایک فطری چیز ہے... لیکن سوال یہ ہے کہ یقینی طور پر کسی بھی اقدام کا ثواب کیسے معلوم ہوسکتا؟ اور کسی بھی نقل وحرکت کی فضیلت کیوں کر متعین کی جاسکتی؟ جب تک کہ اس سلسلے میں کوئی نص موجود نہ ہو اور صاحب

شرع نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اس کی وضاحت نہ کی ہو۔ سند کے اعتبار سے اگرچہ کمزور ہو لیکن متعینہ ثواب وفضیلت کا پتہ تو وہیں سے چل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تو کوئی صورت نہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے جماعتی ساتھی کچھ ایسے انداز سے فضائل وثواب کی سوغات بانٹتے ہیں گویا وہ تمام نصوص ان کے سامنے ہوں اور فرداً فرداً ہر ایک عمل پہ بیان کردہ ثواب متعین ہو حالانکہ روایت احادیث کا میدان جہاں اپنے اندر بے پناہ نزاکت رکھتا ہے وہیں یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ خروج فی سبیل اللہ کا اولین مصداق جہاد بالسیف ہے اور اسی کے لئے نکلنا ان احادیث میں مطلوب ومقصود ہے البتہ الفاظ کے عموم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے دینی اسفار پر بھی اگر اس کو منطبق کردیا جائے تو درست ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں مگر پھر بھی امانت ودیانت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اولین مصداق کا تذکرہ ہو پھر کہیں اسے اپنے مقصد پر فٹ کیا جائے۔ لیکن چونکہ ایسا کرنے سے اپنے دعویٰ اولیت کو ٹھیس لگتی اور بزعم خود اپنی افضلیت پہ زک پہونچتی اس لئے ایسا ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

خیال رہے کہ ثواب وفضیلت بیان کرتے ہوئے....

ہمارے بڑوں نے فرمایا...... یا.... بڑے فرماتے ہیں....

ان جیسے جملوں کا سہارا لیکر ہم خیانت وکذب کی شناعت سے ہرگز نہیں بچ سکتے کیونکہ ثواب وفضیلت کی تعیین کسی بھی بڑے کے اختیار میں نہیں۔ یہ اختیار تو سب بڑوں کے بڑے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے اس لیے جس جملے کا بھی سہارا لیجیے۔ ہوگی وہ روایت

حدیث۔ اگر چہ بالواسطہ ہو۔ اور ساری سندوں کو چھوڑتے ہوئے انتساب الی الرسول کو بھی
حذف کر دیجئے مگر چونکہ ثواب وفضیلت کا بیان صرف اور صرف دربار رسالت سے متعلق
ہے اس لئے روایت حدیث ہی کے ضمن میں اسے بھی ماننا ہوگا۔۔۔ اور روایت حدیث میں
محتمل کو متیقن اور غیر یقینی کو یقینی بتلانے والا بھی من کذب علی متعمداً کی فہرست میں شامل
ہے۔ اور ایسوں کے لئے فلیتبوأ مقعدہ من النار کی وعید بھی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔
اسی لیے صحاح ستہ والے نے اسے مختلف پیرایہ سے نقل کیا ہے امام بخاری کا ایک انداز یہ ہے کہ
من یقل علی مالم أقل فلیتبوأ مقعدہ من النار (بخاری شریف ح نمبر 109) جبکہ امام ترمذی یوں نقل کرتے ہیں کہ اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار
(ترمذی شریف ح نمبر 2951)
یہ گفتگو تو ہمارے موجودہ احباب کے طرز عمل پر تھی لیکن عجیب اتفاق ہے کہ بانی جماعت
حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رح نے بھی کچھ ایسا انداز اپنایا ہے کہ بعد والوں کو قصوروار
ٹھہرانا شاید قرین انصاف نہیں۔ کیونکہ بعد والے تو اسی کو ڈھوئیں گے جسے بڑوں نے لاد دیا
ہے اور بڑوں نے جو فرما دیا ہے چھوٹے اسی کو نقل کریں گے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے لیے
موضوع سے ہٹ کر ایک مثال دیکھتے چلئے۔
مولانا محمد سعد کاندھلوی صاحب نے کسی موقع سے یہ بیان کر دیا کہ۔۔۔۔ اللہ پاک تم سے وہ
کام لے لیگا جو نبیوں سے بھی نہ ہو سکا۔۔۔۔۔۔ پھر کیا تھا سوشل میڈیا پہ ھنگامہ مچ گیا مگر

ہمارے دوستوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ یہ جملہ بیچارے مولانا سعد کا ہے ہی کہاں؟۔ یہ تو بانی جماعت کا جملہ ہے جو انھوں نے حافظ سلیمان صاحب کے نام ایک مکتوب میں باضابطہ املاء کروا رکھا ہے کہ.... اگر حق تعالیٰ کسی کام کو لینا نہیں چاہتے ہیں تو چاہے انبیاء بھی کتنی کوشش کرلیں تب بھی ذرہ نہیں ہل سکتا اور اگر کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے بھی وہ کام لے لیں جو انبیاء سے بھی نہ ہو سکے (مکتوبات مولانا الیاس ص 107۔108۔ مرتبہ علی میاں ندوی)

دیکھ لیا نا؟ کہ یہ تو بڑوں کا جملہ ہے اس میں چھوٹوں کا کیا قصور؟... ٹھیک اسی طرح ثواب وفضائل کا میدان ہے کہ محتمل کو متیقن بنا کر پیش کرنا تو بڑوں سے ہی منقول ہے اور بے پناہ ثوابوں کی سوغات تو اوپر ہی سے تقسیم ہوتی آ رہی ہے۔ مثلاً حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رح نے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح املاء کروایا ہے کہ.......

(میرے دوستو! اس میں کوشش کرنے سے سینکڑوں حضور کی سنتیں زندہ ہوں گی اور ہر ہر سنت پر سو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا تم خود دیکھو ایک شہید کا کتنا بڑا رتبہ ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اس کام کے لیے نکلنے والے کے قدم۔ میں امید کرتا ہوں کہ فرشتوں کے پروں پہ پڑتے ہیں اور اللہ کے یہاں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ دنیا کی مخلوق اور آسمان کے فرشتوں کے دلوں میں اس کام کے کرنے والوں کی محبت اور وقار جمتا ہے.......

مکتوبات مولانا الیاس ص 134) بانی جماعت علیہ الرحمہ کے اس مکتوباتی اقتباس کو جو کہ حقیقت میں ملفوظ ہے بار بار پڑھیئے اور پھر موجودہ دور کے جماعتی احباب کا بیان سنیئے۔ کیا آپ کو وہی..... بڑوں نے فرمایا..... کی عکاسی نہیں ملے گی؟ اور کیا پہلے پیرا گراف میں

محتمل کو متیقن بنا کر پیش کرنے کی صورت نہیں نظر آتی ؟ البتہ دوسرے پیرا گراف میں لفظ امید نے بھرم رکھ لیا ہے ۔ ورنہ یہاں بھی احتمال کو یقین سے بیان کرنا تو بہر حال موجود ہے .... لہذا نئی نسلوں سے ھٹ کر پہلے بنیاد کو دیکھئے۔اور تمام تر عقیدت و احترام بجالاتے ہوئے شخصیت کو چھیڑے بغیر صرف تحریک کا جائزہ لیجیئے تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور فیصلہ کرنا دشوار ہوگا کہ خدایا ماجرا کیا ہے؟ چنانچہ لگے ہاتھوں ایک اور ملفوظ کا ایک چھوٹا سا جملہ سامنے رکھ کر فیصلہ کرتے رہیئے .... حضرت کاندھلوی کے پاس ایک صاحب نے کام کرتے ہوئے اپنے جی لگنے اور نہ لگنے کی شکایت کی تو حضرت نے فرمایا کہ.....جی کا لگنا اور جی کا گھبرانا پہلا بسط ہے اور دوسرا قبض ہے ۔ یہ انسان کے لیے سانس کی طرح لازم ہے ۔ درجہ نبوت تک یہ انسان کے لیے لازمی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں چیز مقاصد کے پورے ہونے اور نہ ہونے پر منحصر نہیں الخ.....مکتوبات مولانا الیاس ص 94)....... اس ملفوظ کا یہ جملہ کہ.....درجہ نبوت تک یہ انسان کے لیے لازمی ہیں.......

کیا قادیانیوں کو مصالحہ فراہم نہیں کرسکتا؟ مگر۔

قسط 9

حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کے بعض ملفوظات پر جو تبصرہ زیرِ قلم آیا ہے اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید یہ عرض ہے کہ اگر سبقت لسانی نہ مانی جائے تو الفاظ کے الٹ پھیر اور غلط تعبیر کی وجہ سے خود آپ کی ذاتی حیثیت بھی مجروح ہوسکتی ہے اور خلوص وللّٰہیت کا پیکر مجسم مانتے ہوئے بھی کچھ تیکھے الفاظ نوک قلم پہ آسکتے ہیں۔ کیونکہ کوئی مسلمان اپنے پیغمبر علیہ

الصلوۃ والسلام کی شان میں بے ادبی کا جملہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اپنی جانیں تو دے سکتا ہے مگر شان رسالت کے خلاف نہیں سن سکتا۔ اپنے بڑوں کی بڑائی پہ لات مار سکتا ہے مگر انبیاء کرام کی توھین پہ خاموش نہیں رہ سکتا اور اپنے تن من کی قربانی برداشت کرسکتا ہے مگر انبیاء کی بے ادبی گوارہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ ہر مسلمان کا اندرونی جذبہ یہی ہوتا ہے کہ مجھ جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے پر نہ مجھ سے یہ ہو سکے گا کہ نبی کی شان وجلال دیں گے حضرت کاندھلوی کے ایک مکتوب کا وہ جملہ یاد کیجئے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ (اور اگر (اللہ) کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے بھی وہ کام لے لیں جو انبیاء سے بھی نہ ہو سکے۔ مکتوبات مولانا الیاس ص 107۔ 108) حضرت کاندھلوی کا مقصود اگرچہ حق جل مجدہ کی قدرت کاملہ کو بیان کرنا ہے لیکن انبیاء کرام کے لیے جو جملہ استعمال ہو گیا ہے وہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اور اسے بے ادبی وگستاخی کا جملہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا۔ اسی طرح آپ نے ایک دوسرے مکتوب میں قبض وبسط کو سمجھاتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ (درجہ نبوت تک یہ انسان کے لیے لازمی ہے۔۔۔۔ مکتوبات مولانا الیاس۔ ص 94) اس جملہ سے آپ کی مراد یقیناً یہی ہوگی کہ یہ قبض وبسط تو انبیاء کو بھی پیش آتے ہیں کیونکہ یہ ہر انسان کے لئے لازم ہے اور انبیاء بھی انسان ہی ہوتے اس لیے انہیں بھی قبض وبسط پیش آتے ہیں۔ مگر اس کی تعبیر آپ نے جو اپنائی ہے وہ یقیناً غیر مناسب ہے۔۔۔۔ اس لیے کہ جب یہ کہا جائے گا کہ درجہ نبوت تک انسان کے لیے لازمی ہے تو اس کا ایک مطلب یہ بھی نکل سکتا ہے کہ کوئی انسان روحانی ترقی کرتے ہوئے اگر درجہ نبوت تک پہنچ جائے۔ تب بھی

یہ قبض و بسط پیش آنا اس کے لیے لازمی ہے.... گویا درجہ نبوت بھی کسبی ہوا حالانکہ یہ خالص وھبی ہے اس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں .... یا یوں کہہ لیجیے کہ گویا اب بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے..العیاذ باللہ العیاذ باللہ....

بات اصل میں یہ ہے کہ حضرت کاندھلوی ایک ولی صفت انسان تھے.آپ پر جذبہ سلوک کا غلبہ تھا.اور آپ کو اپنے مشن کا ایسا جنون تھا کہ اس جنونی کیفیت نے آپ کو مغلوب الحال بنا رکھا تھا اسی لیے آپ کی کیفیت یکساں نہیں رہتی.کبھی تو فنا فی اللہ کے بحر ناپیدا کنار میں مستغرق رہتے اور کبھی جذبہ اصلاح سے مغلوب الحال ہو جاتے.... اس لئے کسی گستاخ جملے پہ کوئی گرفت نہیں اور نامناسب تعبیر پہ کوسنا سوئے ادب ہے کیونکہ غلبہ حال سے آپ مجبور تھے.....اور شاید اسی غلبہ حال کا نتیجہ تھا کہ فضائل وثواب کے بیان میں بھی عالمانہ شان باقی نہ رہ سکی.اور ضعیف بلکہ بے اصل روایت بھی نقل کر گئے.....مثلاً ایک مکتوب میں مردہ سنتوں کے زندہ کرنے پر آپ نے جو لکھوایا ہے کہ (ہر ہر سنت پہ سوسو شہیدوں کا ثواب ملے گا....مکتوبات مولانا الیاس ص 134) تو کیا مردہ سنتوں کے زندہ کرنے پر سوسو شہیدوں کا ثواب ملنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟... راقم سطور کو تو تلاش بسیار کے باوجود ایسی کوئی حدیث نہ مل سکی اور من احیی سنتی بعد ما امیتت فلہ اجر مآۃ شھید کا جملہ کہیں سے بھی دستیاب نہ ہو پایا.حتی کہ حضرت شیخ یونس جونپوری رح شیخ الحدیث مظاہر علوم نے بھی کہہ دیا لم اقفہ البتہ اسی سے ملتے جلتے جو الفاظ ہیں ان کی حقیقت بھی دیکھتے چلئے.ایک روایت یوں ہے من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مآة شهيديه

روایت الترغیب والترھیب للمنذری (ج 1ص 1 4ح 5 6)
میں ضرور موجود ہے مگر چونکہ اس کا ایک راوی حسن بن قتیبہ ہے جس پر سخت کلام کیا گیا ہے
اس لیے محدثین کے نزدیک یہ روایت حددرجہ ضعیف ہے اسی طرح ایک دوسری روایت
ہے المتمسك بسنتي عند فساد امتي له اجر شهيد..... المعجم
الأوسط للطبرانی ح5414 یہ روایت نسبتاً کم ضعیف ہے۔
مگر چونکہ اس میں سوشہید کا نہیں بلکہ ایک شہید کا ذکر ہے اس لیے حضرت کاندھلوی کی بیان
کردہ حدیث کی جگہ اسے نہیں رکھا جاسکتا۔ نیز اس میں سنتوں کے زندہ کرنے کا بھی کوئی
تذکرہ نہیں......

الغرض مولانا کاندھلوی کے ملفوظات ومکتوبات میں جب متضاددعوے نظر آتے ہیں تو قاری
کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ کبھی تو عاجزی وفروتنی کی اس
زینے پہ اتر آتے ہیں جہاں سے نیچے کوئی منزل نہیں اور کبھی الہامات کے بام عروج سے
اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ گویا ملاءاعلی کے تمام حجابات آپ سے اٹھالئے گئے
ہیں۔اس لئے متضادعبارتوں کا ہونا ایک لازمی بات ہے۔
مثال کے طور پہ مولانا کی چھیڑی ہوئی تحریک مروجہ طریقہ تبلیغ آخر کس خانہ میں فٹ ہو
؟اسے اگر فرض عین کہتے ہیں تو اسے فرض ٹھہرانے والا کون ہوگا؟ فرض عین کا اثبات تو ایسے
دلائل سے ہوگا جو کہ قطعی الثبوت بھی ہو قطعی الدلالۃ بھی۔ حالانکہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں۔
اور دلیل ہوگی بھی تو کیسے؟ کہ یہ تو نئے دور کی نئی پیداوار ہے اور اس وقت اس کا وجود ہوا ہے

جبکہ نزول وحی کا کوئی تصور ہی نہیں۔ جبکہ وحی ربانی نے بہت پہلے ہی سے دعوت وتبلیغ کو فرض کفایہ کہہ رکھا ہے ارشاد قرآنی ہے

(ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر...... آل عمران آیت 104) اس آیت میں صاف صاف یہ کہا گیا ہے کہ دعوت الی الخیر۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تم میں سے کوئی ایک جماعت ہونی چاہیے۔ یعنی یہ فریضہ سب کا نہیں بلکہ کوئی ایک طبقہ اس فریضہ کو ادا کرتا رہے تو کافی ہے .... یہ ہے وحی ربانی کا اعلان.......

اب آیئے حضرت کاندھلوی کے ملفوظ کی طرف....... مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سے آپ نے جو فرمایا تھا کہ مجھے سب کے حصے میں فرض کفایہ ادا کرنا ہے (ملفوظات شیخ الحدیث ص 45۔ 46۔ قسط ششم میں اس کا ذکر آچکا ہے) تو اس وقت آپ کے نزدیک خود کی یہ تحریک فرض کفایہ تھی مگر بعد میں وہی چیز نہ جانے کہاں سے فرض عین ہوگئی۔؟ جیسا کہ بیشتر ملفوظات کے مضامین اس پر شاھد ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک ملفوظ سامنے رکھ لیں بندہ ناچیز کا مقصد یہ ہے کہ فرائض میں (اور فرائض میں بھی اہم فرائض) کوشش کے معاوضے کو اور دینی و دنیوی اثرات کو جو اللہ نے کھلے دل کے ساتھ کوششوں پر اپنے اوپر حوالہ کر دینے کی صورت میں وابستہ فرما رکھے ہیں وہ بغیر کوششوں کے نصیب نہیں ہو سکتے......... بہر حال مقصد یہ ہے کہ بغیر سعی والے یعنی قاعدین مجاہدین جیسے نہیں ہو سکتے اور اہم فرائض کے مجاہدین نوافل کے مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے الخ... مکتوبات مولانا الیاس ص 35) لیجئے قرآن تو کہے

کہ دعوت وتبلیغ کی سعی وکوشش ایک فرض کفایہ ہے اور حضرت کاندھلوی ہیں کہ کبھی فرض کفایہ کہتے اور کبھی اہم ترین فرض (فرض عین) ایسے میں حضرت مولانا الیاس کو مغلوب الحال اور غیر مکلف نہ کہئے تو کیا کہئے؟

قسط 10

مروجہ طریقہ تبلیغ کو حضرت کاندھلوی نے پہلے تو فرض کفایہ کہا تھا لیکن بعد میں آپ نے اسے ہر جگہ فرض عین ہی کہا اور مانا ہے بلکہ منوانے کی کوشش کی ہے چنانچہ قسط نہم میں ایک ملفوظ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اب ذرا اسی تعلق سے ایک اور ملفوظ بھی دیکھتے چلئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ۔۔۔۔ فرائض کا مقام نوافل سے بہت بلند تر ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ نوافل سے مقصود ہی فرائض کی تکمیل یا ان کی کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے غرض فرائض اصل ہیں اور نوافل ان کے تابع اور فروع۔ مگر بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ فرائض سے تو غفلت برتتے ہیں اور نوافل میں مشغول رہنے کا اس سے بدرجہا زائد اھتمام کرتے ہیں مثلاً آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دعوت الی الخیر۔ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر غرض تبلیغ دین کے یہ تمام شعبے دین کے اہم فرائض میں سے ہیں مگر کتنے ہیں جو ان فرائض کو ادا کرتے ہیں لیکن اذکار نفلیہ میں اشتغال وانہماک رکھنے والوں کی اتنی کمی نہیں۔ (ملفوظات مولانا الیاس ص 16 ملفوظ نمبر 4) غور فرمائیے کہ دعوت الی الخیر۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نوافل کے مقابلے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ سب فرض عین ہوں کیونکہ فرض عین ہی کی تکمیل کے لیے نوافل وسنن ہوا کرتے ہیں حالانکہ دنیائے علم وتحقیق کے کسی مستند

اور قابل اعتماد محدث وفقیہ یا کسی مفسر نے امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کو فرض عین نہیں کہا۔

اب ایسے میں کیا حضرت والا کو پوری امت اسلامیہ سے ھٹ کر ایک نئی راہ اپنانے والا نہیں کہا جا سکتا؟ اور کیا اسی کا نام شذوذ نہیں ہے؟ جس کے تعلق سے حدیث رسول کا یہ جملہ بھی ہے کہ (اتبعوا السواد الأعظم فانه من شذ شذ فی النار..... اتحاف المھرہ لابن حجر ج 8ص 5 2 9. الفتح الربانی للشوکانی ج10 ح4768) یعنی انفرادیت نہ اپناؤ بلکہ سواد اعظم کے ساتھ رہو ورنہ جو سواد اعظم اور علماء ربانی کی جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گرادیا گیا......... اللہ اللہ کتنی سخت وعید ہے انفرادیت اپنانے والوں کے لیے....... اس کے باوجود جس چیز کو امت نے کبھی بھی فرض عین نہیں کہا اسی کی تشریح اس انداز سے کی جائے کہ گویا وہ فرض عین ہے یقیناً خطرناک مرحلہ ہے.... خیال رہے کہ ایک ہے انفرادی دعوت۔ اور ایک ہے اجتماعی دعوت۔ انفرادی دعوت کے لیے قرآن پاک میں (ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنه.... النحل 125) کے ذریعے ہماری رھنمائی کی گئی ہے جبکہ اجتماعی دعوت کے لیے (ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر الخ... آل عمران 104) میں روشن ہدایات ہیں اور یہاں گفتگو کا سارا محور ہی اجتماعی دعوت ہے نہ کہ انفرادی..... اس لئے کہ ہمارے حضرت کاندھلوی کا سارا زور اسی پر تھا کہ لوگ اپنے گھروں سے باہر نکلیں اور جماعت کی شکل میں قریہ قریہ گھوم پھر کر لوگوں کو دعوت دیں۔

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اگر فرض عین مان ہی لیا

جائے تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر ہر فرد پر امر بالمعروف فرض عین ہوگا اسی طرح نہی عن المنکر کو بھی تو فرض عین ماننا پڑے گا۔ جبکہ مروجہ طریقہ تبلیغ میں نھی عن المنکر کا باضابطہ کوئی حصہ نہیں اور امر بالمعروف کے بھی تمام معروفات کو نظر انداز کر کے صرف چند چیزوں پہ زور ہے تو کیا نھی عن المنکر کو چھوڑنا فرض عین کا ترک نہیں؟ اور کیا مروجہ جماعت بھی آپ ہی کے بقول ایک اہم ترین فریضہ کو چھوڑنے پر گنہگار نہیں؟ اسی طرح امر بالمعروف کی جزئیات تو بے شمار ہیں۔ پھر محض چھ نمبری معروفات کی دعوت دینا کیونکر امر بالمعروف کے فریضہ پہ عمل کرنا کہلائے گا؟ اگر آپ یہ کہہ دیں کہ ابھی تو الف ب ت ہے آگے جمیع ما جاء بہ النبی ہمارا ٹارگیٹ ہے تو گویا ابھی تک آپ بھی امر بالمعروف کے فرض عین پہ عمل پیرا نہیں........
دوستو! سیدھی اور بے غبار بات صرف اتنی ہے کہ فریضہ دعوت کی اہمیت سے انکار نہیں مگر اسے فرض عین نہیں مانا جاسکتا۔ کیونکہ ہر کسی کے لیے اس فریضے پہ عمل کرنا ممکن نہیں اور لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جو ممکن نہیں اسے فرض عین نہیں کہا جاسکتا۔ اسی لیے اس فریضہ دعوت کو فرض کفایہ کہنا ہی قرین انصاف ہے جس کے لئے ہر ہر فرد کا دعوت میں لگنا ضروری نہیں بلکہ ہر شہر اور ہر علاقے میں اگر کچھ لوگ بھی یہ کام انجام دیتے ہوں تو سب کی طرف سے کافی ہے   راقم سطور کا اپنا خیال یہ ہے کہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے رائج کردہ طریقہ تبلیغ کو عام فرض عین کی طرح فرض عین نہیں سمجھتے تھے بلکہ محض ترغیب کے لیے آپ نے یہ انداز اپنایا ہے اور صرف لوگوں کو جوڑنے کے لیے اپنے ملفوظات میں ایسے جملے استعمال کئے ہیں کہ فرض عین کا دھوکہ ہوتا ہے ورنہ

حقیقت یہی ہے کہ آپ کے نزدیکبھی فرض عین کے بجائے فرض کفایہ ہے چنانچہ ایک موقع پر طلباء کی جماعت سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ (جن لوگوں کے حقوق خدمت تم لوگوں پر ہے اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لیے ضروری ہے ان کی خدمت وراحت کا انتظام کرکے اور ان کو مطمئن کرکے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم وصلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سر پرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہوجائیں.....ملفوظات مولانا الیاس ص 58 ملفوظ نمبر 72) اس ملفوظ میں آپ نے جماعت میں نکلنے سے پہلے اپنے سر پرستوں کو مطمئن کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی ہے جبکہ کسی بھی فرض عین کی ادائیگی میں یہ ہرگز نہیں دیکھا جاتا کہ سر پرست کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور ایسا نہیں ہے کہ اگر سر پرست وگارجین مطمئن نہیں تو فرض عین کو چھوڑ دیا جائے......اسی سے پتہ چلا کہ حضرت کاندھلوی بھی جماعت میں نکلنے کو دیگر فرائض کی طرح فرض عین نہیں مانتے تھے ورنہ ایسا ارشاد ہرگز نہ ہوتا۔ البتہ دور حاضر کے ذمہ داران تبلیغ کو چاہیے کہ اس ملفوظ کا بار بار مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان کے بڑے تو ہر صاحب حق کے حقوق کی ادائیگی مقدم سمجھتے ہیں ۔یعنی ماں باپ ۔ بیوی ۔ بچوں کے حقوق پہلے ادا کرواتے ہیں اور آپ ہیں کہ گھر میں بوڑھے والدین پر جو بھی بیتے ۔کوئی ملال نہیں اور بیمار بیوی بچوں کی جو بھی گت ہو ۔کوئی پرواہ نہیں بس جماعت میں نکل چلو ۔اسی غلو اور تشدد نے جماعتی چہرے کو بھیانک بنادیا ہے اور بانی جماعت کی فکروں سے الگ دوسری تشریحات نے راہ پالیا ہے تاہم نئ

تشریحات ہوں یا غلو وتشدد کا مکروہ چہرہ۔ ہرایک کی بنیاد اوپر ہی پڑ چکی تھی اور ابتدائی دریچوں سے ہی آج کی ہر خرابی جھانکتی نظر آتی ہے مثلاً تلاوت قرآن سے بے رغبتی۔درس قرآن سے دشمنی اور اپنے منتخب اردو نصاب کی بے پناہ پابندی۔ان سب چیزوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو سب کا سب اوپر بھی کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے۔

قسط 11

ابھی حال ہی میں بنگلہ والی مسجد نظام الدین دہلی کے امام وخطیب مولانا سعد صاحب کی طرف منسوب ایک ایسا بیان سامنے آیا ہے جسکا تعلق براہ راست ملفوظات مولانا الیاس رح سے ہے۔حالانکہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ بیان کب کا ہے؟اور کہاں یہ بیان ہوا؟ مگر سوشل میڈیا میں جس طرح وائرل ہوا ہے اس سے بیان کے واقع ہونے کا ظن غالب ضرور قائم ہو گیا ہے لہذا اس کا بھی تجزیہ پیش خدمت ہے مولانا سعد صاحب نے فرمایا کہ(دعوت وتبلیغ کا مقصد اپنے دل میں اس بات کا یقین پیدا کرنا ہے کہ نظام کائنات۔کائنات سے نہیں چلتا بلکہ خالق کائنات سے چلتا ہے اس لئے میرے اللہ کی قدرت سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ نظام کائنات نہیں۔آج نظام کائنات خلاف چل رہا ہے جب مسلمان داعی الی اللہ تھا تو نظام کائنات اس کے اعتبار سے چلتا تھا اس لیے مولانا الیاس صاحب فرماتے تھے کہ دعوت الی اللہ تسخیر عالم کا نسخہ ہے جب بھی نظام کائنات مسخر ہوا ہے صحابہ کے لیے وہ دعوت الی اللہ سے ہوا ہے اس کو لوگ غلو کہتے ہیں اگر غور کیا جائے تو صحابہ کے ساتھ جو بھی ظاہر کے خلاف ہوا وہ دعوت اور عبادت کو جمع کرنے سے ہوا ہے محض عبادت سے کرامتوں کا ظہور ہو سکتا ہے مگر

نصرتیں نازل نہیں ہونگی...... بیان مولانا سعد) مولانا سعد صاحب نے اپنے اس بیان میں ایک دعویٰ یہ کیا ہے کہ قدرت خداوندی کے ذریعہ فائدہ اٹھانا نظام کائنات سے نہیں ہے... دوسرا دعویٰ ہے کہ.. آج کل نظام کائنات خلاف چل رہا ہے.... تیسرا دعویٰ یہ کیا کہ جب مسلمان داعی الی اللہ تھا اس وقت نظام کائنات مسلمانوں کے اعتبار سے چل رہا تھا...... چوتھا دعویٰ مولانا الیاس کے حوالے سے یہ ہے کہ دعوت الی اللہ تسخیر عالم کا نسخہ ہے اور پانچواں دعویٰ یہ ہے کہ عبادات سے کراموں کا ظہور تو ہوسکتا ہے مگر نصرتیں نازل نہیں ہوسکتیں.... مولانا سعد صاحب کے ان پانچوں دعووں کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر گفتگو سے پہلے ہم یہ دیکھتے چلیں کہ کیا واقعی مولانا الیاس کاندھلوی بھی اپنے پڑپوتے کے ہمنوا ہیں؟ یا یوں کہہ لیجیے کہ کیا یہ پڑپوتا واقعی اپنے پڑدادا ہی کی ترجمانی کررہا ہے؟ تو یہ حقیقت ہے کہ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی بھی کچھ اسی طرح کی زبان استعمال فرماتے ہیں اور بانئ جماعت کا ارشاد بھی تقریباً یہی ہے اگرچہ ملفوظات میں دعوی کے من وعن الفاظ مجھے نہیں مل سکے لیکن اسی مفہوم کے الفاظ ضرور موجود ہیں چنانچہ وہ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ (تم نے وماخلقت الجن وال إنس الالیعبدون کے مقتضٰی سے جس قدر انحراف کیا اسی قدر

کاظہور کم ہوگیا یعنی جس نسبت سے تمہاری عبدیت میں کمی آئی اسی نسبت سے زمین وآسمان کی کائنات سے تمہارا نفع حاصل کرنا کم ہوگیا کائنات کو تمہارا خادم اسی لئے بنایا گیا تھا کہ تم اس کی اطاعت وبندگی اور اس کی مرضیات کے فروغ میں لگے رہو جب تم نے اپنا یہ فریضہ چھوڑ

دیا تو زمین و آسمان بھی تم سے پھر گئے.... ملفوظات مولانا الیاس ص 126 ملفوظ نمبر 174)

دوستو! یہ ہے حضرت کاندھلوی کا ملفوظ.... اب آیئے اسی ملفوظ کے تناظر میں مولانا سعد کے پانچوں دعاوے کا جائزہ لیتے ہیں.... لیکن پہلے یہ بھی دیکھتے چلئے کہ کائنات کیا ہے اور تسخیر کائنات کسے کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ماسوی اللہ ہر موجود شئ کائنات ہے. مادے کی ہر صورت اور حرکت کی ہر شکل کائنات میں شامل ہے۔ کائنات سے باہر موجود ہونے کا کوئی طریقہ، اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ کائنات سے باہر کچھ بھی نہیں، اور کائنات ہر شے پر حاوی ہے،

جبکہ تسخیر کا معنی ہے کسی چیز کو تابع کرنا اور بلا اجرت و معاوضہ کسی کام پہ لگا دینا......

قرآن مجید میں 23 مقامات پر کائنات کی مختلف اشیاء کو انسان کی خدمت پہ مامور کئے جانے کا ذکر ہے. ان میں 19 مقامات ایسے ہیں جن میں پوری بنی نوع انسان کے لیے تسخیر کائنات کا تذکرہ ہے جبکہ چار مقامات پہ خصوصی تسخیر کا ذکر ہے۔

الغرض یہ حقیقت ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں یقیناً حضرت انسان کے لیے ہیں ارشاد ربانی ہے (ھو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعا.... البقرہ 2:29) اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے (وسخر لکم ما فی السماوات وما فی الأرض جمیعا منہ.... الجاثیہ 45:13)

یعنی انسانوں ہی کے فائدے کے لئے پوری کائنات ایک اٹل اور مضبوط نظام کے تحت ماہ و سال طے کر رہی ہے. اور کائناتی نظام اس قدر منظم ہے کہ نامعلوم وقت سے آج تک نہ تو

سیارات کی گردش میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی بلند و بالا آسمان میں کوئی خلل واقع ہوا۔ زمین کے ساتوں طبقات اسی طرح قائم اور سمندر کی بے تاب موجیں اٹھکھیلیوں میں اسی طرح مصروف ہیں۔ سورۃ الملک پ 29 کی ابتدائی آیتوں میں انسانوں کو یہی احساس دلایا گیا ہے کہ وہ جس کائنات میں رہتا ہے وہ ایک انتہائی منظم اور محکم سلطنت ہے جس میں ڈھونڈے سے بھی کوئی عیب یا نقص یا خلل تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

اب آپ ہی فرمایئے کہ قرآن تو یہ کہے کہ کائناتی نظام میں کوئی خلل نہیں مگر مولانا سعد یہ کہیں کہ آج نظام کائنات خلاف چل رہا ہے...... آخر مولانا نے کیسے مشاہدہ کیا؟ یہ سب تو تکوینیات سے متعلق ہیں اور صوفیاء کی اصطلاح میں رجال الغیب کی جماعت اس کام پہ مامور ہے... تو کہیں ایسا تو نہیں کہ دبی زبان میں یہ باور کرایا جا رہا ہو کہ کسی قطب و ابدال کو اگر دیکھنا ہو تو مجھے دیکھو۔ اپنی مقدرات کے راز ہائے سربستہ کھلوانے ہوں تو میری چوکھٹ پہ آؤ.. اور پوری دنیا کو اگر مٹھی میں کرنا ہو تو میرے پاس حاضری دو... کیونکہ نظام کائنات کی دیکھ بھال میرے سپرد ہے... اسی طرح مولانا کا یہ کہنا کہ نظام کائنات سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا... کیا یہ بھی مخالف قرآن جملہ نہیں؟ اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا نہیں ہوگا؟ کیونکہ قرآن تو یہ کہے کہ ساری چیزیں تمہارے فائدے کے لئے ہیں اور مشاہداتی طور پر سب لوگ فائدہ اٹھا بھی رہے ہیں۔ پھر بھی مولانا کا یہ ارشاد..... آخر یہ کہاں فٹ ہو سکتا؟ کیا بینائی کے باوجود اسے بے مثال اندھا پن نہیں کہہ سکتے؟.........

اب تیسرا دعویٰ دیکھئے کہ جب تک مسلمان داعی الی اللہ تھا اس وقت تک نظام کائنات

مسلمانوں کے اعتبار سے چل رہا تھا۔۔۔۔۔۔اس دعوے پر ہر کسی کو یہ پوچھنے کا حق ہے کہ اگر نظام کائنات مسلمانوں کے اعتبار سے چلے گا تو کیا مسلمان اپنے مخالفین سے شکستیں کھائیں گے؟

کیا مسلمانوں کے خون سے عرب کے ریگستان لالہ زار ہونگے؟ اور کیا سرور کائنات کو چوٹیں آئیں گی؟ خود کی کڑیاں گڑیں گی؟ دندان مبارک شھید ہونگے؟ طائف کی لہولہان داستان پیش آئے گی؟۔۔۔۔۔۔اگر ہمت ہے تو یہ بھی کہہ دیجئے کہ نبی کریم کے زمانے میں دعوت الی اللہ نہیں تھی اسی لئے یہ سب کچھ ہوا۔۔۔۔ ہائے ہائے کون سمجھائے؟ کہ آپ کی زبان پھسلنے کی عادی ہو چکی۔ اپنے آپ پہ کنٹرول کیجئے اور تاریخ اسلامی کے علاوہ ناموس رسالت سے کھلواڑ نہ کیجئے۔۔۔۔۔۔۔ چوتھا دعویٰ یہ ہے کہ دعوت الی اللہ تسخیر عالم کا نسخہ ہے۔۔۔۔۔۔ یہاں بھی وہی سوال کہ آپ تو صحابہ کرام کو مروجہ طریقہ کی دعوت دینے والا بتاتے ہیں خود نبی کریم بھی آپ کے بقول اسی طرح کی دعوت دیتے تھے تو آخر کیا وجہ ہے کہ پورا عالم تو کجا۔ پورا عرب بھی مسخر نہ ہو سکا؟ کیا ان کی دعوت میں العیاذ باللہ کچھ کمی تھی؟ یا آپ کا یہ نسخہ ہی خود ساختہ نسخہ اور اپنے ذھن کی پیداوار ہے؟ اگر اس نسخہ کی کوئی میعاد ہے تو خدارا اسے بھی ظاہر کر دیجئے کیونکہ 23 سالوں تک نبی کریم نے یہی نسخہ استعمال کیا مگر عالم مسخر نہ ہو سکا۔ جنگوں پہ جنگیں لڑی گئیں۔ مگر۔۔۔۔ اسی طرح صحابہ نے بھی 100 سالوں تک اسے آزمایا مگر ہمارا ملک ھندوستان بھی ان کے دام تسخیر سے باہر ہی رہا۔۔۔۔۔ اب رہا پانچواں دعویٰ۔ کہ عبادتوں سے کرامات کا ظہور تو ہو سکتا ہے مگر نصرتیں نہیں مل سکتیں۔۔۔۔۔۔۔ حضرت والا! نصرت

سے آخر آپ کی مراد کیا ہے؟ اگر سیم وزر کا ڈھیر نصرت ہے تو یقیناً دور رسالت میں یہ نہیں تھا۔ اگر مراد حکومت واقتدار کی چمک دمک ہے تو یہ بھی مفقود تھی۔ حالانکہ وہاں عبادت بھی تھی اور آپ کے بقول آپ والی دعوت بھی۔ مگر آپ کی مزعومہ نصرتوں کا دور دور تک پتہ نہیں... کہیں ایسا تو نہیں کہ العیاذ باللہ نبی کی دعوت میں نقص تھا؟ ان کی دعوت اصولوں کے خلاف تھی اور الہامات سے جو طریقہ آپ کے پڑدادا کو حاصل ہوا۔ وہاں تک نبی کی رسائی نہ ہو سکی؟.. العیاذ باللہ اسی طرح صحابہ کرام کی کرامات بھی تو گنتی کی دو چار ہی تھیں۔ علاوہ ازیں اپنے پڑدادا کے ملفوظ کو ایک بار پھر دیکھ لیجیے کہ انھوں نے تو عبدیت کی کمی کو عدم نفع اور عدم تسخیر کا سبب کہا ہے جبکہ آپ کے نزدیک دعوت کا نہ ہونا تسخیر سے محرومی کا سبب ہے۔

قسط12

بات چل رہی تھی تسخیر کائنات کی... یعنی مولانا سعد صاحب کے بقول دعوت الی اللہ تسخیر کائنات کا نسخہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں تو بہت ساری چیزیں ہیں۔ کیا دعوت الی اللہ کے نسخے سے کائنات کی ساری اشیاء مسخر ہو جائیں گی؟ کائنات علویہ بھی.؟ کائنات سفلیہ بھی؟ عالم لاہوت بھی؟ عالم ناسوت بھی؟ انسان وفرشتے بھی؟ جنات ودیگر مخلوقات بھی؟...... اگر ایسا ہے تو پھر وہ داعی الی اللہ تو مالک کائنات ہو گیا۔ ہر چیز اس کی قوت تصرف میں آ گئی۔ اور پوری کائنات اس کے زیرِ تسخیر ہو گئی... گویا وہ داعی الی اللہ اب خود اللہ بن گیا.. واہ واہ کیا خوب نسخہ ہے تسخیر کا۔ کہ جتنے داعی ہیں سب اللہ ہیں اور جتنے جماعتی

ہیں سب مالک کائنات ہیں....استغفر اللہ....استغفر اللہ...اور اگر تسخیر کائنات سے مراد بعض چیزوں کی تسخیر ہے؟ تو پھر ایسی ناقص تسخیر کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ایسی تسخیر تو ہر فرد بشر کو حاصل ہے بلکہ ہر با اختیار مخلوق کو عنایت ہے ورنہ صفت اختیار کا فائدہ ہی کیا؟ دوستو! جب انسان اپنی حیثیت سے اوپر کی سوچتا ہے۔ تو اسی طرح ٹھوکریں کھاتا ہے۔ کبھی شریعت کے نام پہ خود شریعت کی مٹی پلید کرتا۔ کبھی دعوت کے نام پہ عداوت کو جنم دیتا اور کبھی ایمان بنانے کے نام پہ خود ایمان ہی سے محروم کر دیتا ہے۔ حالانکہ تاریخ کائنات میں آج تک کوئی ایسی تاریخ نہیں ملتی کہ کسی انسان کے لیے پوری کائنات مسخر ہوئی ہو۔ خواہ مشاہداتی کائنات ہو یا مخفی کائنات۔ کوئی بھی کائنات کسی بھی انسان کے زیر تصرف نہ رہی ہے نہ رہیگی۔ کیونکہ کائنات کے ہر ہر جزء پہ قوت تصرف کا ہونا صرف اور صرف قدرت خداوندی کا خاصہ ہے اگر اس میں کسی کو شریک و سہیم سمجھا جائے تو یہی شرک جلی بھی ہے شرک خفی بھی۔ جسے وحدہ لاشریک لہ کی غیرت کبھی گوارہ نہیں کرسکتی۔ کسی کے لئے جنات کو مسخر کر دینا یا ہواؤں کو ماتحت بنا دینا ہرگز ہرگز تسخیر کائنات نہیں۔ فضاؤں میں اڑنا۔ سطح آب کو روندنا۔ بیماریوں کو سلب کرنا اور نسبت باطنیہ کو منتقل کرنا کسی عقل و خرد سے پیدل کے نزدیک تو تسخیر کائنات کہلاسکتی ہے مگر کوئی عقلمند ایسا نہیں کہہ سکتا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مولانا سعد صاحب بے عقل ہیں یا ایمان کے ڈاکو ہیں بلکہ کلیم عاجز کی زبان میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ بات چاہے بے سلیقہ ہو کلیم بات کہنے کا سلیقہ چاہیے پروردگار عالم نے انسانوں میں یہ قوت ضرور رکھی ہے کہ انسان مختلف ریاضتوں کے ذریعے

بعض صفات الٰہیہ کی ادنی سی خصوصیات حاصل کرسکتا ہے اور بے پناہ قوتوں کا حسین گلدستہ بن سکتا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ باکمال شخصیت کے لئے بقول علامہ اقبال یہ چیزیں لازم بھی ہیں قہاری وجباری و قدوسی وجبروت یہ چارعناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان یعنی اللہ بننے کے لئے نہیں بلکہ کامل مسلمان بننے کے لیے قہاریت وجباریت وغیرہ کی کچھ نہ کچھ شان ہونی ضروری ہے لیکن اس کے لیے سب سے پہلے اپنے اندر کی ودیعت کردہ فطرت کو صیقل کرنا لازم ہوگا... بالفاظ دیگر کائنات کی تسخیر سے پہلے خود اپنی ذات کی تسخیر کرنی ہوگی اور اوپر کے مکان سے پہلے نیچے والے مکان کی تعمیر لازم ہوگی کیونکہ یہی پہلی منزل ہے۔ ہمارے جماعتی احباب یہ غلطی کرتے ہیں بلکہ ان کے اصول وشرائط کی یہ بھیانک غلطی ہے کہ اپنے آپ کو مسخر کئے بغیر تسخیر کائنات کے سفر پہ نکل پڑتے ہیں اور اپنے آپ پہ کنٹرول کئے بغیر پورے سماجی ماحول کو کنٹرول کرنے کا خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ بھلا سوچیئے تو سہی۔ کہ جو اپنے وجود کا آقا نہیں وہ دوسروں پہ حکم کیسے چلا سکتا؟ اور جو خود اپنے نفس کا حاکم نہیں۔ وہ کائنات کو کیسے غلام بنا سکتا ہے؟ خیال رہے کہ قدیم زمانے سے خانقاہوں کی ریاضت اور اہل اللہ کی غلامی اسی لئے کی جاتی رہی ہے کہ انسان پہلے خود اپنے آپ کا حاکم بن جائے پھر دوسروں پہ حکومت کی سوچا کرے۔ اور پہلے اپنے من میں ڈوب جائے پھر دوسرے ڈوبنے والوں کو نکالا کرے۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا۔ نہ بن۔ اپنا تو بن

کیا مولانا الیاس کاندھلوی رح نے پہلے اپنے آپ کو نہیں مٹایا تھا؟ کیا انھوں نے خانقاہی

ریاضت سے اپنے آپ کو پہلے نہیں سنوارا تھا؟ اور کیا انھوں نے پہلی منزل سے قبل ہی اوپر کو چھلانگ ماردی تھی؟ نہیں نہیں. بلکہ پہلے انھوں نے خانقاہ رشیدیہ میں اپنے نفس کو مٹایا تھا پھر خانقاہ خلیلی میں اپنا فائنل امتحان دیا تھا تب کہیں جاکر ان کی چلائی ہوئی تحریک کو لوگوں نے قبول کیا تھا. اگرچہ اکابر نے ان دنوں بھی آپ کو اس تحریک پہ بہت کچھ کہا تھا مگر پھر بھی انھوں نے چونکہ پہلی منزل عبور کررکھی تھی اس لئے برداشت کرلیا گیا. چنانچہ حضرت کاندھلوی نے اپنی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے بزرگان دین سے نیازمندی کا جو تذکرہ کیا ہے وہ یہی تو ہے.. وہ فرماتے ہیں کہ.... (اس دینی کام کی طرف مجھے متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھے کچھ ایسی خصوصیات حاصل تھیں کہ جن بعض اکابر کو میرے اس کام کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ شکوک بھی ہوئے تو انھوں نے میری وجہ سے سکوت اختیار کیا اور اپنے اختلاف رائے کو ظاہر نہیں فرمایا.. میری وہ خصوصیات یہ ہیں... ایک یہ کہ میری نیازمندی کا تعلق اپنے زمانے کے سبھی بزرگوں سے رہا اور الحمدللہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا... دوسرے یہ کہ میرے والد ماجد ایک عالی مرتبہ اور متفق علیہ بزرگ تھے اور باہم بہت سے اختلافات رکھنے والے اہل دین کے مختلف طبقے ان پر متفق تھے.... تیسرے یہ کہ میرا خاندان ایک خاص اثر اور عزت و وجاہت رکھنے والا خاندان تھا.... ملفوظات مولانا الیاس ص 121 ملفوظ نمبر 162)

اس ملفوظ سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ سارے اکابر کو آپ کی تحریک سے اتفاق نہ تھا وہیں یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اکابر کے سکوت کی وجہ کیا تھی؟ چنانچہ اولین وجہ یہی سامنے آئی کہ

بزرگوں سے نیازمندی۔ اور اکابر کے اعتماد کی وجہ سے آپ کی تحریک کو برداشت کرلیا گیا اور مخالفت کی آواز نہیں اٹھائی گئی ورنہ اکابر کو بھی احساس تھا کہ اس تحریک میں کچھ غلط ہو رہا ہے تاہم حضرت کاندھلوی نے چونکہ اپنے نفس کو غلام بنا رکھا تھا اس لیے ان کی حد تک ایسی باتیں کرنا کسی قدر زیبا تھا۔ جبکہ آج ہم اپنے جماعتی احباب یا امراء کو جب دیکھتے ہیں تو معاملہ ہی کچھ اور نظر آتا ہے اس کے باوجود خواب ہے تسخیرِ کائنات کا۔ اور اپنی جدید چلت پھرت کے لئے دعوٰی ہے اہم ترین نسخہ تسخیر کا... ہائے ہائے۔ اپنی خودی کو خدا ماننے والے اور اپنی نفسانیت کو عین دین کہنے والے آخر یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ مولانا الیاس صاحب نے جن تین خصوصیات کی وجہ سے اکابر کے سکوت کو مانا ہے وہ تینوں کی تینوں خانقاہ و مدارس سے متعلق ہیں۔ خود ان کی نیازمندی کا اعتراف آچکا۔ والد ماجد کا احترام بھی خانقاہ گنگوہی اور علمی تبحر کی وجہ سے تھا اسی طرح خاندانی وجاہت بھی انہیں دونوں دائروں میں محدود ہے لہذا مروجہ طریقہ تبلیغ کو تسخیر کے واسطے نسخہ کیمیا بتانے اور ماننے سے پہلے مسلمہ خانقاہوں میں جاروب کشی کیجئے۔ آپ کے پڑدادا نے جنہیں اکابر مانا ہے ان کے اخلاف سے نیازمندی جتایئے۔ ان کے آستانے پہ حاضری دیجئے اور اہل مدارس سے سند اعتماد لیجئے پھر کہیں دوسری منزل پہ چھلانگ لگایئے۔ ابھی تو خشت اول ہی درست نہیں۔ پھر اوپر کی فکر کیسی؟ علامہ اقبال نے کہا تھا کھفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے وہ تسخیری سامان کیا ہے؟ وہ موجودہ طریقہ تبلیغ نہیں۔ بلکہ خانقاہی ریاضت اور نوافل کی کثرت ہے کیونکہ ساری کائنات کے سب سے سچے اور ہم سب کے سب سے بڑے قائد

رسول پاک نے خود اللہ پاک سے نسخہ تسخیر نقل کیا ہے یعنی حدیث قدسی کے الفاظ ہیں (مایزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی احبه فإذا أحببته كنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده اللتی یبطش بها ورجله اللتی یمشی بهاوان سألنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه...... بخاری شریف. حدیث نمبر 6502) اس میں صاف صاف اعلان ہے کہ نسخہ تسخیر نوافل کی کثرت اور انہیں کے ذریعے اللہ کا تقرب ہے۔ جب ایسا ہوجاتا تو پھر اسکا آرڈر خدائے پاک کا آرڈر بن جاتا ہے......اب بتایئے کہ نسخہ تسخیر کیا ہے؟۔ یہاں تو بات نوافل کی ہے اور چونکہ آپ کی چلت پھرت بقول آپ کے فرض ہے اس لئے موجودہ طریقہ تبلیغ تو کسی طرح بھی نسخہ تسخیر نہیں ہوسکتا۔

قسط 13

مذھب اسلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تمامتر ہمہ گیری اور بے پناہ وسعتوں کے باوجود اس نے اپنے ماننے والوں پر کچھ پابندیاں لگا رکھی ہے اور من مانی تشریح وتعبیر سے منع کردیا ہے یعنی تشریح وہی معتبر ہوگی جو خیر القرون سے ہم آھنگ ہو اور تعبیر وہی اپنانی ہوگی جو خیر القرون سے متصادم نہ ہو مثلاً لغت کے اعتبار سے لفظ رسول کسی ایک کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر قاصد اور پیغام رساں کو رسول کہا جاسکتا ہے اسی طرح نبی ہے کہ ہر خبر دینے والے کو نبی کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن چونکہ یہ تعبیر مخصوص ہے انبیاء کرام کے لئے۔۔اس لئے کسی اور کے واسطے استعمال کرنا شریعت سے تصادم کہلائے گا۔ گو کہ حضرت معاذ کے

لیے بھی استعمال ہوا ہے مگر کس نے استعمال کیا؟ خود صاحب شرع نے کیا ہے۔اس لئے کوئی خلجان نہیں۔اسی طرح اتفاقیہ طور پر اگر کوئی لغوی معنی میں استعمال کرہی لے تو وہ بھی قابل تحمل ہے مگر کسی مخصوص تعبیر کو اپنی تنظیم کے لئے اس طرح مختص کردینا کہ وہی اس کا تشخص بن جائے یقیناً ایک غلط روش اور معنوی تحریف ہے۔

مروجہ تبلیغی جماعت نے متعدد اصطلاحات وتعبیرات کو اپنے لئے اس طرح متعارف کروایا ہے کہ گویا ان الفاظ کا مصداق صرف وہی جماعت ہے کوئی دوسری نہیں۔اور کمال ھنر مندی سے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے جن سے اسلام کی بے شمار تاریخیں وابستہ ہیں مثلاً اپنی جماعت کا نام رکھنا ہوا تو رکھ دیا تبلیغی جماعت۔اپنے کام کو معنون کرنا ہوا تو عنوان دے دیا دعوت۔اپنے کارندوں کو ابھارنا ہوا تو اصطلاح گھڑ لی ہجرت ونصرت۔تعلیم واستقبال اور مذاکرہ وغیرہ.....آج کی قسط میں تمام اصطلاحات کو تو نہیں چھیڑا جاسکتا البتہ آج کی مجلس میں صرف لفظ تبلیغ پہ غور کرلیتے ہیں کہ زبان رسالت میں تبلیغ کسے کہتے اور اہل جماعت کے نزدیک تبلیغ کیا ہے؟ تو قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغ سے مشتق ہونے والے الفاظ کبھی تو حدیث وقرآن کی تعلیم کے لیے استعمال ہوئے۔کبھی محض کسی ایک خبر کو پہنچانے کے لیے بولے گئے اور کبھی پوری شریعت اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے لیے ارشاد ہوئے ہیں۔ان میں سے کسی ایک خبر کو پہنچانے کے لئے لفظ تبلیغ جو استعمال ہوا ہے وہ استعمال تو ضرور ہوا تھا مگر بعد میں منسوخ ہوگیا جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بئر معونہ کے موقع سے جو حادثہ پیش آیا تھا اسی میں ایک شہید کی آواز کو اللہ پاک نے اس قدر سند

قبولیت بخشی کہ ان کی خبر کو قرآنی آیت بنا دیا مگر بعد میں وہ آیت منسوخ ہوگئی۔ حدیث کے الفاظ ہیں (فأنزل الله تعالىٰ على نبيه صلى الله عليه و سلم في الذين قتلوا أصحاب بئر معونه قرآنا قراناه حتى نسخ بعد: بلغوا قومنا فقد لقينا ربنا. فرضي عنا ورضينا عنه... (بخاری شریف ح4095)

اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیت (یاایها الرسول بلغ ما نزل الیك من ربك... سورہ مائدہ آیت نمبر 67) یہ پوری شریعت کی تبلیغ کے لیے ہے... حجۃ الوداع میں خطبہ رسول کا جملہ (فلیبلغ الشاهد الغائب...بخاری 1739) پوری شریعت بالخصوص احکام ومسائل کی تبلیغ کے لیے ہے۔.... حضرت سلیم بن عامر کی روایت ہے (کنا نجلس الی ابی امامة فیحدثنا حدیثا کثیرا عن رسول الله صلی الله علیه و سلم فاذا سکت قال اعقلتم؟ بلغوا کما بلغتم... مجمع الزوائد ج 1ص 145 بإسناد حسن) اس روایت کا لفظ تبلیغ صرف تعلیم حدیث کے لئے ہے... یہی روایت دوسری جگہ اس طرح بھی منقول ہے کہ حضرت ابوامامہ نے فرمایا کہ (ان مجلسکم هذا من بلاغ الله ایاکم وحجة علیکم ان رسول الله قد بلغ ما ارسل به وان اصحابه قد بلغوا ما سمعوا فبلغوا ما تسمعون الخ مجمع الزوائد ج10 ص 356) اس میں لفظ تبلیغ روایت حدیث کے لئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ (بلغوا عنی ولو آیة..... بخاری شریف ح نمبر 3461) میں تبلیغ کا صیغہ خالص روایت حدیث اور تعلیم قرآن کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ حرف عن اور لفظ آیہ پہ جو بھی غور کرے گا وہ یہی کہے گا کہ عن فلان عن فلان تو

روایت حدیث کا طریقہ ہے اور آیت صرف قرآن کریم کی ہوتی ہے اس لئے یہ حدیث خاص طور پر حدیث وقرآن کی تعلیم وروایت کے لیے مخصوص ہے ...... الغرض حدیث وقرآن میں لفظ تبلیغ کا استعمال جہاں جہاں بھی ہوا ہے میرے ناقص علم کے مطابق پوری شریعت کے لئے ہوا ہے .....اب اگر کوئی اسے چھ نمبر میں محدود کردے اور کہے کہ تبلیغ تو صرف ان ہی چھ نمبروں کی دعوت دینا ہے.......اگرچہ منشور میں جمیع ماجاء بہ النبی بھی ہو.....لیکن بھولے سے بھی چھ نمبروں سے تجاوز نہ ہوتا ہو اور صرف فضائل پر ہی انحصار ہو تو کیا یہ طریقہ......لفظ تبلیغ کو محدود کرنا نہیں ہے؟......اور* کسی عام کو خاص کردینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ بانی تبلیغ نے جابجا چھ باتوں کا ذکر کیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو ان ہی چھ باتوں میں محدود رہنے کی تلقین کی ہے.اس لئے یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا کہ یہ دین کی تبلیغ ہے یا دین کی تحدید؟ یہ دینداری ہے یا دین بیزاری؟ اور یہ تبلیغ ہے یا تنقیص؟اس کے باوجود بانی تبلیغ کا یہ ارشاد ہے کہ (بندہ ناچیز کے نزدیک یہ تبلیغ شریعت طریقت حقیقت تینوں کو علی الاتم جامع ہے....**مکتوبات مولانا الیاس ص66**

لیجیے ناقص تو کجا.حضرت والا کے نزدیک علی الاتم جامع ہے.اب فیصلہ ناظرین فرمائیں گے. میرا کام تو صرف آئینہ دکھانا ہے۔مولانا کاندھلوی کا قول کہاں تک درست ہے اس کے لیے ایک اور نمونہ سامنے رکھ لیجیے.سب لوگ جانتے ہیں کہ دین وشریعت میں فضائل بھی ہیں مسائل بھی.ترغیب بھی ہے ترھیب بھی.اور عقبی بھی ہے دنیا بھی.اسی لئے ہماری شریعت ایک کامل ومکمل شریعت ہے جبکہ مروجہ تبلیغ میں ترھیب وانذار کا گذر نہیں.(مولانا سعد کے

مسائل کو مستثنیٰ رکھئے تو) مسائل سے چھیڑ خوانی نہیں بلکہ صرف فضائل اعمال پر ترغیب ہے خود بانی جماعت کا جملہ ہے (فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اسی سے آدمی عمل پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے.... **ملفوظات مولانا الیاس ص 137 ملفوظ 201)** حضرت والا کے اس ملفوظ کی روشنی میں ہر کوئی فیصلہ کردے گا کہ مولانا کا پہلا مکتوب کہاں تک درست ہے؟ تاہم لگے ہاتھوں ایک دوسری بات بھی عرض کرتا چلوں کہ اسلام میں نہی عن المنکر کا درجہ پہلے ہے؟ یا امر بالمعروف کا درجہ پہلے؟ تو راقم سطور کے نزدیک ترغیب فضائل سے پہلے ازالہ رذائل کی اھمیت زیادہ ہے کیونکہ کلمہ طیبہ کے پہلے جزء میں پہلے نفی ہے پھر اثبات۔۔ لا الہ سے نفی ہے اور الا اللہ سے اثبات ہے... بسم اللہ سے پہلے اعوذ باللہ کا پڑھنا بھی ہمیں یہی بتاتا ہے کہ رذائل و منکرات کا ازالہ کئے بغیر معروفات پہ عمل آوری سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے۔ خود دین کی بنیاد بھی اسی ترتیب سے ہے کہ اولین حکموں میں سے ہے (وانذر عشیرتك الاقربین.... شعراء آیت نمبر 214) گویا اِنذار اور نہی عن المنکر پہلے ہے اور امر بالمعروف بعد میں۔ جبکہ اہل جماعت نے نہی عن المنکر کو دیش نکالا کر رکھا ہے اس لئے امر بالمعروف پہلے ہو یا نہی عن المنکر۔ بہرحال اہل جماعت کے نزدیک صرف ایک چیز ہے اس کے باوجود دعویٰ ہے کہ شریعت طریقت حقیقت تینوں کو علی الاتم جامع ہے۔ فیا للعجب....

قسط 14

بات چل رہی تھی لفظوں کے استعمال اور انہیں اپنے لئے مخصوص کر لینے کی۔ چنانچہ لفظ تبلیغ کو مروجہ تبلیغی جماعت کا اپنے لئے استعمال کرنا اور اپنے ہی لئے مخصوص سمجھنا کہاں تک درست ہے؟ گذشتہ قسط میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ لغوی اعتبار سے اگر چہ یہ درست ہے لیکن اصطلاحی اعتبار سے ہرگز مناسب نہیں۔ کیونکہ لفظ تبلیغ حقیقت میں پوری شریعت کی ترویج واشاعت کے لئے بولا گیا ہے۔ اب اگر صرف چھ یا سات باتوں کو لے کر پھرنے والے اپنے کام کو تبلیغ کہیں اور دوسرے دینی کام کو تبلیغ سے خارج سمجھیں تو یقیناً یہ عام کو خاص کر کے تحریف کا ارتکاب ہوگا۔ جو کہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔۔۔۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر اس جماعت کا نام کیا ہو؟ اور مروجہ تبلیغی جماعت کو کس نام سے پکارا جائے؟ تو اس سلسلے میں اگر چہ بعض معتبر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ مروجہ تبلیغی جماعت کا کام سراسر تذکیر ہے اس لیے انہیں تذکیری جماعت کہنا درست ہوگا۔۔۔۔ لیکن راقم سطور کا ذاتی خیال یہ ہے کہ ان حضرات کے کاموں کو اصطلاحی تذکیر کا نام دینا بھی انصاف کے خلاف ہے کیونکہ جو حال تبلیغ کا ہے وہی حال تذکیر کا ہے۔ اگر آپ لفظی اعتبار سے دیکھیں تو جسطرح تبلیغ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح تذکیر کے استعمال میں بھی کوئی خرابی نہیں لیکن گفتگو تو اصطلاح کی ہے اور قرآن وحدیث کی زبان میں تذکیر کا اطلاق بالعموم اس وعظ ونصیحت پہ ہوتا ہے جو قرآن کریم سے ماخوذ ہو یا حدیث رسول سے منسوب ہو۔ جبکہ ہمارے دوستوں کے یہاں وعظ ونصیحت کا مقام ایک ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے خود حضرت کاندھلوی بھی اسی کے معترف ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے اس کام میں وعظ وتقریر تو محض ایک ضمنی چیز ہے (ملفوظات ص 63 ملفوظ 81)

اور اگر وعظ و نصیحت ہے بھی تو اس کا تمام تر انحصار بڑوں کے فرمان پہ ہے۔ دوران بیان اگر آیات قرآنی آ بھی جائیں تو جو وزن بڑوں کے فرمان کا ہے وہ آیات قرآنی کو کہاں نصیب؟ حالانکہ سورہ ذاریات کی آیت **وذکّر فانّ الذکری تنفع المؤمنین** کی تفسیر میں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ وذکّر ای بالقرآن **وقیل ذکرھم بالعقوبة وایام اللہ** (تفسیر قرطبی ج 17 ص 55) اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے الفوز الکبیر میں علوم خمسہ میں سے تین علوم کو التذکیر کا جو نام دیا ہے یعنی تذکیر بآلاء اللہ. تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بالموت و مابعدہ. ان کی تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر کوئی یہی کہے گا کہ جو وعظ و نصیحت قرآن وحدیث اور آثار صحابہ پہ مشتمل ہوگی وہی تذکیر تذکیر کہلائے گی. ایسا نہیں کہ مطلقاً نصیحت کرنے کو اصطلاحی تذکیر کا نام دے دیا جائے۔ کیونکہ عام نصیحت تو غیر مسلموں کے یہاں بھی موجود ہے اور ہر تنظیم وادارے کا ذمہ دار اپنے کارندوں کو بالالتزام نصیحت کرتا ہے تو کیا ہر تنظیم کو تذکیری جماعت کہہ دیا جائے؟ نہیں... اس لئے مروجہ تبلیغی جماعت کو صرف الیاسی جماعت کہنا موزوں ہوگا۔ اور جیسے جماعت بریلویہ کو رضاخانی جماعت۔ جماعت اسلامی کو مودودی جماعت اور ایک جماعت کافرہ کو قادیانی جماعت ان کے اپنے بانیوں کی طرف نسبت دیتے ہوئے کہا جاتا ہے اسی طرح مروجہ جماعت کو ان کے اپنے بانی حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کی طرف نسبت دیتے ہوئے الیاسی جماعت کہنے میں کیا مضائقہ ہے؟ یہ خیال رہے کہ یہاں گفتگو صرف نام سے ہے۔ نہ کہ اس بات سے ہے کہ الیاسی جماعت کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری جماعتوں کا ہے۔ کیونکہ

ابھی یہ زیر بحث نہیں   بہرحال حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ کی چھیڑی ہوئی تحریک خالص الیاسی تحریک ہے اسی لئے حضرت والا نے اپنے ملفوظات میں بار بار اس تحریک کو اپنی جانب منسوب کیا ہے مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ ہماری یہ تحریک دشمن نواز دوست کش ہے آجائے جس کا جی چاہے (ملفوظات ص 127 ملفوظ نمبر 179) میرے اس کام کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے الخ (ملفوظات ص 127 ملفوظ 162) ہماری اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ الخ (ملفوظات ص 127 ملفوظ 164) الغرض ایسے متعدد ملفوظات ہیں جن میں حضرت مولانا نے اپنے اس کام کو خود اپنی جانب منسوب کیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسے الیاسی تحریک یا الیاسی جماعت نہ کہا جائے؟ اور تبلیغی یا تذکیری جماعت کا نام دیا جائے؟ جبکہ کام بھی اصطلاحی تبلیغ یا اصطلاحی تذکیر پر فٹ نہیں ہوتا. اور اگرچہ حضرت کاندھلوی نے اپنے کام کو تبلیغ ہی کہا ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ اسے اصطلاحی تبلیغ مانا جائے؟ اور لغوی تبلیغ نہ مانا جائے؟   البتہ ایک دوسرا نام ملاقاتی جماعت یا اصلاحی جماعت کہہ لیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ بالکل حق بجانب ہوگا اور اسے حسن اتفاق ہی کہئے کہ مرتب ملفوظات حضرت مولانا منظور نعمانی نے ترتیب ملفوظات کے دوران کئی جگہوں پہ بین القوسین اسے اصلاحی جماعت مانا بھی ہے مثلاً ص 66 ملفوظ 88... ص 95 ملفوظ 136... اور ص 120 ملفوظ 162 میں دیکھا جا سکتا ہے اب آیئے ذرا لفظ دعوت کو بھی دیکھتے چلیں. کہ مروجہ طریقہ تبلیغ کو دعوت کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو صحیح بات یہ ہے کہ دعوت اور تبلیغ میں عموم و خصوص کی نسبت ہے. تبلیغ عام ہے اور

دعوت خاص۔تبلیغ میں پورا دین داخل ہے معروفات ہوں یا منہیات۔مثبت ہو یا منفی اور موجود ہو یا معدوم ہر ایک تبلیغ کے اجزاء ہیں جب کہ دعوت کا تعلق اصلا معروفات سے ہے تمام بھلائیوں کی طرف بلانا دعوت کا اولین مصداق ہے۔رہا منہیات کا معاملہ۔تو دعوت میں ان کی شمولیت ثانوی درجہ کی ہے۔کیونکہ دعوت کا معنی مطلقاً بلانا ہے۔۔۔ڈرانا اور روکنا نہیں۔۔۔اور اصطلاح شرع میں دعوت نام ہے دائرہ اسلام میں داخلہ کے لئے بلانا اور اسی پر کاربند رہنے کو طلب کرنا۔۔۔۔اسی شرعی معنی کی تعبیر مختلف الفاظ میں کی گئی ہے کہیں اسے الموعظة الحسنة کہا گیا اور کہیں دعوت الی اللہ کا عنوان دیا گیا ہے۔۔۔۔۔گویا دعوت الی اللہ یہ نہیں ہے کہ کلمہ طیبہ کا یقین دلایا جائے بلکہ دعوت یہ ہے کہ کلمہ توحید کی غلامی قبول کروائی جائے۔دعوت یہ نہیں ہے کہ نمازوں کی تصحیح کی جائے بلکہ دعوت یہ ہے کہ نمازوں کی فرضیت کا اقرار کروایا جائے۔دعوت یہ نہیں ہے کہ امن و امان کی فضاؤں میں سیر وسیاحت کی جائے بلکہ دعوت یہ ہے کہ پرخطر ماحول میں بھی پیغام توحید سنایا جائے۔اور دعوت یہ نہیں ہے کہ خودساختہ اشیاء ستہ میں دین کو محدود کر دیا جائے بلکہ دعوت یہ ہے کہ مکمل دین کی بے پناہ وسعتوں سے روشناس کرایا جائے۔

دعوت کے مذکورہ بالا مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مروجہ تبلیغی جماعت کا کام کارہائے دعوت ہے؟ اور صرف چھ معروفات کو لئے پھرنا دعوت کہلا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔۔۔۔اسے اصلاح تو کہا جائے گا مگر دعوت نہیں۔۔۔۔ممکن ہے کوئی یہ کہہ دے کہ لفظوں کے استعمال میں کیوں پڑتے ہو؟ کہا الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے

صدف سے۔ کہ گہر سے؟

تو بات اصل یہ ہے کہ الفاظ کے استعمال پہ کوئی پابندی نہیں۔ اور جو بھی اپنے لئے کچھ طے کر لے کوئی رکاوٹ نہیں لیکن اگر کسی لفظ کے استعمال سے شریعت پہ زد پڑتی ہو۔ دین اسلام میں تحریف لازم آتی ہو۔ کسی طبقے کی توھین ہوتی ہو اور کسی ادارہ یا تنظیم کی حق تلفی ہوتی ہو تو اس وقت یقیناً الفاظ کے استعمال سے بحث کی جائے گی اور انصاف کے ترازو میں اسے تولا جائے گا۔۔

قسط 15

ہجرت اور نصرت یہ دو ایسے الفاظ ہیں جو ہمارے جماعتی احباب کے یہاں کثیر الاستعمال ہیں اور ان دونوں الفاظ کے استعمال سے ایسا یقین دلایا جاتا ہے کہ جماعت میں نکلنا ہجرت ہے اور مقامی افراد کا تعاون کرنا یا کسی بھی قسم کی برکات کا ظاہر ہونا نصرت ہے گویا ہجرت پر جتنے وعدے ہیں ان سب کے حقدار مروجہ تبلیغ کے افراد ہیں اور نصرت کے جتنے فضائل ہیں ان سب کے مستحق بھی یہی جماعتی احباب ہیں۔ اب ایسے میں ظاہر ہے کہ جب ھجرت بھی وہیں۔ نصرت بھی وہیں۔ تو بیک وقت وہ مہاجر بھی ٹھہرے اور انصار بھی۔ وہی مہمان بھی ہوئے اور وہی میزبان بھی۔ وہی فقراء بھی ہیں اور وہی معاون ومددگار بھی۔۔۔۔۔۔۔ بھلا سوچئے تو سہی کہ جن دونوں الفاظ کے ساتھ پوری تاریخ اسلامی وابستہ ہو اور جن اصطلاحات کا دائرہ پورے عہد رسالت کو محیط ہو وہ دونوں کے دونوں صرف ایک تنظیم کے لئے مختص ہو جائے تو دوسری تنظیموں اور اداروں کے لئے بچا ہی کیا؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اصل اسلامی جماعت

تو وہ ہے جن کے پاس ہجرت بھی ہے نصرت بھی ہے اور جو مہاجر بھی ہیں انصار بھی۔ کیوں کہ اسلام کا عہد زریں یعنی فتح مکہ سے قبل کا زمانہ صرف اور صرف مہاجرین کا ہے یا انصار کا۔ تیسرا کوئی طبقہ نہیں۔ لہذا ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مروجہ تبلیغ والوں کے لئے ان دونوں الفاظ کا استعمال کہاں تک درست ہے؟ بات اگر لغوی معنی تک محدود رہتی۔ تب تو کسی کو کوئی اختلاف نہ ہوتا کیوں کہ لغت کسی ایک طبقہ کی جاگیر نہیں۔ مگر چونکہ معاملہ اصطلاحی استعمال کا ہے اس لیے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی اصطلاحات کے موجدوں نے ہجرت و نصرت کو کس مفہوم میں استعمال کیا ہے؟ اور کس طبقہ کو مہاجر وانصار کہا ہے؟ لیکن سب سے پہلے بانی جماعت ہی سے پوچھ لیتے ہیں کہ کیا ہر ہجرت کو اسلامی ہجرت کہنا درست ہے؟ اور کیا ہر نصرت کو اسلامی نصرت کہا جاسکتا ہے؟ تو آپ کو حیرت ہوگی کہ حضرت والا نے اپنے ایک ملفوظ میں نصرت کے تعلق سے صاف صاف کہا ہے کہ اپنی اپنی نمازیں پڑھنا۔ روزے رکھنا اگرچہ اعلی درجے کی عبادتیں ہیں لیکن یہ دین کی نصرت کے کام نہیں۔ دین کی نصرت تو وہی ہے جس کو قرآن پاک اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نصرت بتلایا ہے الخ..... ملفوظات مولانا الیاس ص 28 ملفوظ نمبر 23 یہ ایک طویل ملفوظ کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے جس سے یہ بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ اپنی مرضی سے کسی بھی کام کو نصرت نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ صاحب شرع نے اسے نصرت کہا ہے یا نہیں؟ یہ الگ سی بات ہے کہ حضرت کاندھلوی کے نزدیک ان کی اپنی چھیڑی ہوئی تحریک بھی نصرت ہی ہے لیکن معیار تو یہ بنا ہے کہ صاحب شرع نے اصطلاحی طور پر جسے جو نام دیا ہے وہی نام اس کے لئے فکس ہوگا اور دوسری چیزوں کو محض اپنے خیال سے کہیں بھی

گھسانا خلاف انصاف ہوگا۔ ورنہ تو لغت کے اعتبار سے ہجرت کا معنی ہے چھوڑنا۔ اور نصرت کا معنی ہے مدد کرنا۔ اب جہاں بھی چھوڑنا یا مدد کرنا پایا جائے وہاں ہجرت ونصرت کا استعمال اصطلاحی طور پر درست ہونا چاہیے۔ کسی نے ایک نماز چھوڑ دی کیا وہ مہاجر ہے؟ کسی نے شراب خانے کی راہ دکھلا کر مدد کر دی کیا وہ انصاری ہے؟ یا کسی نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا کیا اسے مہاجر کہا جائے گا؟ کسی نے کسی غریب کو ایک روٹی کھلا دی کیا وہ انصاری کہلائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ أنصار ومہاجر تو صرف وہ کہلائیں گے جنہیں شریعت نے انصار ومہاجر کہا ہوگا اور وہی افعال اصطلاحی طور پر ہجرت ونصرت کہلائیں گے جنہیں شریعت نے ہجرت ونصرت مانا ہوگا ورنہ مذہب نہیں رہے گا بازیچہ اطفال بن جائے گا اس لئے آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلامی اعتبار سے کون مہاجر ہے اور کون انصار؟ اور کون سا فعل ہجرت ہے اور کون سا فعل نصرت؟ تو حقیقت یہ ہے کہ ہجرت ونصرت کی وہ مخصوص اصطلاح جس کے ذریعے انسان مہاجر یا انصار کہلائے گا وہ اب باقی نہیں اور زمانہ رسالت ہی میں اس ہجرت کے منقطع ہونے کا اعلان ہو چکا ہے چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت مجاشع بن مسعود السلمی اپنے بھائی معبد کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یارسول اللہ میرے بھائی کو ہجرت پر بیعت فرمالیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ قد مضت الھجرۃ باھلھا... مسلم شریف ح 1863۔ دوسری جگہ ہے مضت الھجرۃ لاھلھا.... بخاری شریف ح2962 یہ تھا رسول اللہ کا واضح اعلان کہ مکہ سے مدینہ یا کسی اور جگہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ اب باقی نہیں اور اس ہجرت کے جو فضائل ومناقب

ہیں ان سب میں اب کسی کا حصہ نہیں کیونکہ زبان رسالت نے اس ہجرت کے انقطاع کا جو اعلان فرمایا ہے ان میں سے ایک اعلان کے الفاظ یہ ہیں کہ **ذهب اهل الهجرة بما فيها**.... بخاری شریف ح 4305

یعنی فتح مکہ سے پہلے تک جن حضرات نے ہجرت کر لی۔ وہی حضرات ہجرت کے سارے فضائل بھی سمیٹ چکے ہیں لہذا اب نہ تو وہ ہجرت ہے اور نہ ہی اس ہجرت کے فضائل........

ایک موقع سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہجرت ہی کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ **لا هجرة اليوم. كان المؤمن يفر احدهم بدينه الى الله والى رسوله مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام**....

بخاری شریف ح 4312 الغرض آج نہ تو وہ ہجرت ہے اور نہ ہی اس ہجرت کے فضائل ومناقب۔ تاہم ایسا بھی نہیں کہ ہجرت کا حکم بالکل منسوخ ہو چکا بلکہ ہجرت کا حکم تو آج بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا لیکن فضائل ومناقب والی وہ ہجرت جو قیامت تک کے لیے باقی ہے وہ نقل مکانی والی ہجرت نہیں بلکہ جان کی سودابازی والی ہجرت ہے۔ سر سے کفن باندھ کر نکلنے والی ہجرت ہے۔ گھر واپسی کی توقع نہ رکھنے والی ہجرت ہے یعنی جہاد کے لئے نکلنے والی ہجرت ہے اور اسی کو زبان رسالت نے قیامت تک کے لئے باقی رکھا ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت یعلی اپنے والد کو لیکر دربار اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے والد کو ہجرت پر بیعت فرمالیجئے تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے جہاد پہ بیعت کر لیتا ہوں کیونکہ ہجرت منقطع ہو چکی۔ **بائع ابى على الهجرة فقال رسول الله ابايعه على الجهاد**

قد انقطعت الهجرة.... صحیح ابن حبان ح نمبر 4864

اس حدیث میں جہاد پر بیعت کرنے کا ذکر ہے اور اسی جہاد کو دوسری حدیث میں ہجرت سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لا تنقطع الهجرة مادام العدو يقاتل.... تاریخ دمشق ج 31 ص 306 اسی حدیث کو حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الإصابة میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان رجالا من الصحابة قال بعضهم أن الهجرة قد انقطعت. فاختلفوا فی ذالك فانطلقت الى النبی صلى الله عليه و سلم فقال ان الهجرة لا تنقطع ما كان الجهاد.. الاصابة ج 1 ص 245

ایک دوسری جگہ ہے کہ يارسول الله فای الهجرة أفضل قال الجهاد قال وما الجهاد قال ان تقاتل الكفار اذا لقيتهم. مجمع الزوائد ج 1 ص 64

الغرض فضائل ومناقب سے بھرپور آج بھی اگر کوئی ہجرت باقی ہے تو وہ ہے اصطلاحی جہاد کے لئے نکلنا... کیونکہ زبان رسالت نے مادام العدو یقاتل کے ذریعے جہاد کا معنی متعین کر رکھا ہے۔ اب مذکورہ بالا تصریحات کے ہوتے ہوئے مروجہ جماعت میں نکلنے کو ہجرت کہنا کسی طرح بھی درست نہیں اور جب ہجرت نہیں تو پھر نصرت کا بھی تصور باقی نہیں رہ سکتا....

علاوہ ازیں... یہ عقل وخرد کا ماتم نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ سفر میں نکلنے کو اصطلاحی ہجرت مانا جائے۔ کیا جماعتی سفر پہ جانے والا اپنے دین کو بچانے کے لیے نکلتا؟ کیا اپنے وطن سے ہمیشہ کے لیے تعلق منقطع کرنے کے لیے نکلتا؟ اور کیا دوبارہ واپسی کا ارادہ نہیں ہوتا؟ حالانکہ صحابہ کی ہجرت میں واپسی کا کوئی تصور نہیں۔ اپنے جس وطن اور جائداد کو چھوڑ کر نکل گئے اب اس کی

ملکیت بھی ان سے ختم۔تب کہیں جا کر مھا جر کا سہرا ان کے سروں پہ باندھا گیا تھا۔ اور اگر صرف دین پھیلانے یا دین سیکھنے کے سفر کو ہجرت کہا جا سکتا ہے تب تو مدارس اسلامیہ کا ہر طالب علم بھی مہاجر ہے کیونکہ وہ دین سیکھنے کو نکلا ہے اور ہر مدرس بھی مہاجر ہے اس لئے کہ وہ دین سکھانے کو نکلا ہے۔ کسی جلسہ یا اجتماع کی دعوت دینے کے لیے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانا بھی ہجرت ہوگی اور وعظ وتقریر کے لیے دور دراز کا سفر بھی ہجرت ہی کہلائے گی۔ کیونکہ وعظ وتقریر بھی بانی جماعت حضرت کاندھلوی کے نزدیک تبلیغ ہے چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی سے آپ نے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ تم تبلیغ میں حصہ لیتے ہو۔جلسوں میں تقریر کرتے ہو تمہاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے...... ملفوظات مولانا الیاس۔ملفوظ نمبر 36 ص نمبر 37 لہذا جلسے کی تقریر یا کسی دینی اجتماع سے خطاب کا سفر بھی ہجرت سے خارج نہیں۔تو پھر جماعتی احباب کی خصوصیت ہی کیا باقی رہی۔؟ یہاں تو دوسرے لوگ بھی مہاجر بن گئے۔ بلکہ حدیث پاک میں ہجرت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے ایک ہے گناہوں کو چھوڑنا۔تو جو شخص بھی کوئی ایک گناہ چھوڑے گا حدیث کے مطابق وہ بھی مہاجر ہوگا بلکہ ایک حدیث میں تو ایسے شخص کے لیے صاف صاف مہاجر کا خطاب بھی موجود ہے **الھجرۃ ان تھجر الفواحش ماظھر منھا ومابطن وتقیم الصلوۃ وتؤتی الزکوۃ فأنت مھاجر........ مجمع الزوائد للھیثمی ج5ص 255**

گویا صدق دل سے نماز پڑھنے والا اور زکوٰۃ دینے والا بھی مہاجر ہے۔ اور وہ بھی زبان رسالت نے اسے مہاجر کہا ہے جبکہ جماعتی سفر کے خروج کو آپ نے ہجرت کہا ہے۔

قسط16

قرآن کریم کی برکتوں سے کون واقف نہیں؟ اس کی تلاوت کے فیضان سے کسے انکار؟ اور اسے اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنا لینے سے روحانی ترقیات کا منکر کون ہوسکتا ؟ آخر عہد رسالت کے تمام مدارس کا نصاب تعلیم صرف قرآن ہی تو تھا۔ اسی قرآن کو پڑھ کر ہر صحابی کا ایمان پختہ ہوا۔ اسی کی تلاوت سے ان کی زندگیوں میں دین آیا۔ ان کے مردہ قلوب روشن ہوئے۔ اسی کی قدردانی سے چہار دانگ عالم میں ان کی عظمت کا پھریرا لہرایا اور اسی قرآن کو سینے سے لگا کر انھوں نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کا آج تصور بھی ممکن نہیں۔ قرآن کریم کی یہ کیمیا گری کسی ایک زمانے تک محدود نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے ہے۔ کسی بھی دور میں اگر قرآن مجید سے مسیحائی کی بھیک مانگی جائے تو وہ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ مکمل رہبری کو تیار ملے گا اور جس طرح دور جاہلیت کے مردوں کو زندگی بلکہ مسیحائی ملی تھی آج بھی مل جائے گی ۔حضرت مولانا الیاس صاحب نے اپنے ملفوظات میں بارہا اسی درد کا اظہار کیا ہے کہ میری اس تحریک کا مقصد لوگوں میں دین کی طلب پیدا کرنا ہے اور اسی مقصد کو مختلف پیرائے سے بیان کیا ہے مثلاً آپ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اس وقت امت کی اصل بیماری دین کی طلب وقدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے اگر دین کی فکر وطلب

ان کے اندر پیدا ہوجائے اور دین کی اہمیت کا شعور واحساس ان کے اندر زندہ ہوجائے تو ان کی اسلامیت دیکھتے دیکھتے سرسبز ہوجائے گی ہماری تحریک کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب وقدر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے نہ کہ صرف کلمہ ونماز وغیرہ کی تصحیح وتلقین.....ملفوظات مولانا الیاس .ص 67 ملفوظ نمبر 91

اسی طرح کے مختلف ملفوظ میں آپ نے اپنی تحریک کا مقصد واضح کیا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ایمانی اسٹیم پیدا کرنے کا جو انداز تھا کیا وہ ناکافی تھا کہ یہ نیا طریقہ ایجاد ہوا؟ قرآن کی تلاوت سے ایمانی حرارت پیدا ہوجانے میں کیا کوئی شبہ تھا کہ نیا نصاب ترتیب دیا گیا؟ اور کیا الفاظ قرآنی کی تاثیر گھٹ چکی تھی کہ انسانی مصنفات کو آلہ کار بنایا گیا؟ ہم دیکھتے ہیں کہ کفار مکہ کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چڑھ نہ تھی. اگر چڑھ تھی تو قرآنی آیات سے. اور انہیں اگر کوئی نفرت وعداوت تھی تو محض الفاظ قرآنی سے... کیونکہ جو بھی قرآنی آیات کو سن لیتا اس کی کایا پلٹ جاتی. جو بھی کلام الٰہی سے اپنی سماعت کو ٹکرانے دیتا اس میں انقلاب آجاتا. اور جو بھی وحی ربانی سے مانوس ہوتا اس کی زندگی کا رخ بدل جاتا....(اِلا ماشاء اللہ) کیونکہ اندرونی انقلاب کے لئے ہی یہ نسخہ کیمیا اتارا گیا ہے اور جذبات وخیالات کی تصحیح کے لیے ہی یہ نسخہ حیات ہمارے ہاتھوں میں ہے جو نہ صرف کل تک انقلاب آفریں تھا بلکہ آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا.

ابھی ماضی قریب کے عطاء اللہ شاہ بخاری کی تلاوت سے اپنے و پرائے کا متاثر ہوتے رہنا کسے معلوم نہیں؟ قاری عبدالباسط مرحوم کی تلاوت سے روس کے کافر ممبران پارلیمنٹ کا بلا

سمجھے بھی نمدیدہ ہوجانا سبھی جانتے ہیں گویا وہی قرآن کل بھی تھا اور وہی قرآن آج بھی ہے
ان سب کے باوجود پتہ نہیں کیوں؟ ہمارے حضرت کاندھلوی نے اپنے تبلیغی نصاب میں
قرآن کریم کو شامل نہیں فرمایا؟ پتہ نہیں کیوں آپ نے فضائل اعمال کی تعلیم پر تو خوب توجہ
دلوائی۔مگر بے چارے قرآن کو عملاً خیر باد کہہ دیا گیا؟........اگرچہ فی الحال دس سورتوں
کے سیکھنے سکھانے کا اہتمام ہے اور تجوید کی تعلیم پر بھی ہمارے حضرت کا ملفوظ موجود ہے....
مگر بات تلاوت قرآن کی ہے۔اگر دس سورتیں سکھائی جاتی ہیں تو وہ تلاوت کے لیے نہیں
بلکہ نماز کے لئے سکھائی جاتی ہیں جبکہ زیر بحث گفتگو اس بات کی ہے کہ تلاوت قرآن کا نہ تو
کوئی اھتمام ہے اور نہ ہی اس سلسلے کا کوئی خاص ترغیبی ملفوظ۔کہ دوران تبلیغ جو کام کرنے کے
ہیں ان میں سے ایک اہم کام قرآن کی تلاوت بھی ہو۔

حضرت مولانا منظور نعمانی کی مرتب کردہ ملفوظات میں تو شاید بھولے سے بھی تلاوت قرآن
کی ترغیب موجود نہیں۔البتہ ایک دوسری کتاب ہے ارشادات ومکتوبات بانی تبلیغ حضرت
مولانا الیاس..یہ کتاب افتخار فریدی صاحب کی ترتیب دی ہوئی ہے اس میں قرآن پاک کی
اھمیت اور اس کی تلاوت پر بیشک چند ملفوظات موجود ہیں اور ذکر میں تلاوت کو بھی شامل کیا
گیا ہے۔مثلاً فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی تلاوت ذکر میں شامل ہے..قرآن پاک جب
تک کہ بدن میں نہ رچے گا اس وقت تک گویا اس کی قدر نہ کی۔

یعنی قرآت سے۔احکام کی بجا آوری سے۔آداب سے......ارشادات ومکتوبات ص 47
مگر حیرت ہے اس بات پر کہ صراحت کے ساتھ جو نصاب بنایا گیا ہے اس میں کہیں بھی

قرآن پاک کو معمولی سی بھی جگہ نہ مل سکی۔ حالانکہ جس دین کی خاطر یہ تحریک چھیڑی گئ تھی اس کا رشتہ اگر قرآن پاک سے کاٹ دیا جائے تو وہ سراسر زندقہ اور الحاد بن کر رہ جائے مروجہ جماعت تبلیغ کا قرآن مجید کے ساتھ جو برتاؤ ہے اس سے تو یہی جھلکتا ہے کہ انہیں قرآن پاک سے العیاذ باالله عداوت ہے۔۔ درس قرآن پر فضائل اعمال کو ترجیح دینا ایک عام سی بات ہے۔ اور دیگر اوقات میں بھی حلقے تو تعلیم کے ہوتے مگر کتاب الہی کا دور دور تک گذر نہیں۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حضرت کاندھلوی کے ایک ملفوظ نے جماعتی احباب کو اس ڈگر پہ لا کھڑا کیا ہو۔ حضرت والا اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ قرآن شریف پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ اپنی زندگی کو قرآن شریف کے ماتحت کرنا فرض ہے ...... مکتوبات وارشادات ص 57 اور ظاہر ہے کہ اپنی زندگی کو قرآن شریف کے ماتحت کرنے کے لئے پہلے اس کے مفہوم ومطلوب کو جاننا ہوگا جس کے لئے فضائل اعمال فکس ہے اس لیے ابھی قرآن پڑھنے اور سیکھنے پر توجہ مرکوز مت کیجئے بلکہ پہلے ماتحت بنانے کے طریقے سیکھئے۔۔۔ اور شاید یہیں سے یہ تصور بھی ابھرا کہ پہلے ایمان بناؤ پھر قرآن سیکھو ابھی قرآن سیکھنے اور پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایمان بنانے کی ضرورت ہے اور اتفاق سے ایک اثر بھی انہیں خوب از بر ہے جو کہ حضرت جندب بن عبد الله سے منقول ہے کہ نحن فتيان حزاورة فتعلمنا الايمان قبل ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددنا به ايمانا...... الصحيح المسند للوادعي 285 مگر ہمارے دوستوں کی یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ انھوں نے اس اثر سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ

اصل طریقہ یہی ہے کہ پہلے ایمان بنایا جائے پھر قرآن سیکھا جائے حالانکہ یہاں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ کوئی کافر جب تک مسلمان نہیں ہوگا اس وقت تک قرآن کیوں سیکھے گا؟ پہلے ایمان لائے گا تبھی تو ایمانیات کا درس لے گا۔ یہ جندب بن عبداللہ اوران جیسے لوگ یقیناً پہلے کافر تھے اس لیے انھوں نے پہلے ایمان قبول کیا اس کے بعد جب قرآن سیکھنے کے مکلف ہوئے تو قرآن سیکھا اور ان کے ایمان میں اضافہ ہوا..... جبکہ ہمارے جماعتی احباب تو پہلے سے مسلمان ہیں اور جماعت میں نکلنے سے پہلے ہی ایمان والے ہیں لہذا ایسے آثار سے استدلال کرنا جہالت ہی جہالت ہوگی۔ علاوہ ازیں حضرت جندب بن عبداللہ کے پہلے جملے پہ بھی غور فرمایئے کہ نحن فتیان حزاورۃ یعنی ہم لوگ زیادہ بڑے اور جوان نہیں تھے بلکہ 14۔15 سال کے کمزور نوجوان تھے اس وقت ہمیں ایمان کی روشنی ملی ہے۔ اب ہمارے احباب غور فرمائیں کہ ان کی عمریں کیا ہوتی ہیں؟ الغرض جو قرآن سراپا رہبر کامل ہے۔ اور جس کتاب کو ساری دنیا نے انقلابی کتاب مان رکھا ہے اسی کتاب کے ساتھ یہ سوتیلا سلوک یقیناً تکلیف دہ ہے۔ اگر آپ نے اسی قرآنیات کو فروغ دینے کی تحریک چھیڑی تھی تو آپ کو اپنے نصاب میں سرفہرست اسی قرآن کو رکھنا چاہیے تھا کیونکہ اس کی تلاوت بھی روح افزاء ہے اور سماعت بھی ایمان بخش... مگر ہائے افسوس... دعویٰ ہے قرآن کی خدمت کا مگر دوری ہے اسی قرآن سے۔ دعویٰ ہے دین کی خدمت کا مگر اجتناب ہے اسی چشمہ دین سے۔ اور دعویٰ ہے دین کی طلب پیدا کرنے کا مگر بیر وعداوت ہے اسی دین کے نسخہ حیات سے...

قسط 17

مروجہ اہل جماعت کے نزدیک علماء کرام کے فضائل ومناقب بیشک مسلم۔ان کے بلند درجات کا برملا اعتراف بھی ہے اور اہل علم کی ضرورت وحاجت کا اقرار بھی۔ بیانات وملفوظات میں علماء کے نہ جڑنے کا احساس بھی ہے اوران کے بغیر کام کے بگڑ جانے کا خدشہ وامکان بھی......مگر یہ سب کچھ صرف زبان وقلم تک محدود ہے۔اجتماعات کے پنڈالوں اور جوڑ کے ھنگاموں سے آگے اس کا کوئی وجودنہیں۔زمینی سطح پر ایسا کچھ بھی نظرنہیں آتا۔بلکہ اس کے برعکس بےعزتی وناقدری۔ذلت ورسوائی اورتوھین وتمسخر کے بےشمار واقعات ان کی زبان وقلم کا منہ چڑھاتے ہیں۔ ائمہ مساجد کے ساتھ مختلف شرائط وپابندیاں اہل جماعت کے دعووں کوحرف غلط بنادیتے ہیں اوراہل مدراس علماء کے ساتھ معاندانہ برتاؤ ان کی تحریک کے لئے بدنما داغ بنتے جارہے ہیں......ایسے میں ایک غیر جانبدار انسان یقیناً سوچنے پہ مجبور ہوگا کہ آخرایسا کیوں ہے؟ قول وعمل میں اتنافرق کیسے آگیا؟ زبان وکردار میں یہ تضاد کہاں سے سرایت کرگیا؟ اور کتابی واجتماعاتی ترغیبات کے باوجود زمینی حقائق اس کے خلاف کیسے ہوگئے؟

تواصل بات یہی ہے کہ جب کسی انسان میں تشدد آجائے تو وہ اپنی راہ بھٹک جاتا۔جب کسی فرد میں افراط کا مادہ پیدا ہوجائے تو وہ راہ اعتدال کھوبیٹھتا اور جب کسی شخص میں غلو ومبالغہ کا جذبہ بیدار ہوجائے تو وہ متانت وسنجیدگی سے دور بہت دور جاگرتا ہے۔ ہمارے جماعتی احباب کے احوال بھی کچھ ایسے ہی ہیں کہ انھوں نے اپنی تحریک کے ساتھ جوشدت برت رکھی ہے اور دینداری کا انھوں نے جومعیار بنارکھا ہے اس کی وجہ سے علماء کرام کی توھین۔

ائمہ عظام کی تذلیل اور اہل مدارس کی تحقیر لازم وملزوم نظر آتی ہے

البتہ کبھی کبھی راقم سطور میں یہ وسوسہ بھی جنم لیتا ہے کہ یہ سب کچھ کہیں ہمارے حضرت کاندھلوی کے ملفوظات کی بناء پر تو نہیں ہیں؟ کیوں کہ مثل مشہور ہے پیراں نمی پرند مریداں پرانند یعنی پیر صاحب میں ادنی سی بھی کرامت کا احساس ہوگا تو مریدین انہیں فضاؤں میں اڑنے والا پیر مغاں بتلائیں گے اور بڑوں کی طرف سے معمولی سا بھی اشارہ ہوگا تو چھوٹے اسی تنکے کو پہاڑ بنادیں گے..... بانئ جماعت حضرت کاندھلوی نے اپنے ملفوظات میں اگرچہ علماء کی کمی کا رونا خوب رویا ہے لیکن ایک دو ملفوظ ایسا بھی ہے جس سے فاسد الخیال افراد کو علماء کرام سے اجتناب کا نتیجہ اخذ کرنے میں ہرگز دیر نہیں لگے گی اور ہمارے حضرت کاندھلوی نے جس مقصد سے ارشاد فرمایا ہے اسے بالائے طاق رکھتے ہوئے کہنے والے فوراً یہی کہیں گے کہ میاں! ہم ایسے ہی علماء کے قدر دان ہیں جو ہماری تحریک کے لیے معاون ومددگار رہوں۔اور جو ہمارے کام میں نہ لگیں۔ہم ایسوں کو عالم ہی نہیں مانتے اس لئے ان کی قدر دانی کا کیا سوال؟

آیئے سب سے پہلے ہم ملفوظات الیاسی کا اقتباس پڑھ لیتے ہیں تاکہ نتیجہ وتجزیہ آسان ہوسکے چنانچہ آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔اکبر کی گمراہی کا خاص سبب یہی تھا کہ ابتداء میں اس نے علماء پہ بہت بھروسہ کیا اور یہاں تک کیا کہ اپنی باگ ہی مجلس علماء کے ہاتھ میں دے دی اور علماء کے انتخاب کی صلاحیت وقابلیت تھی نہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ طالبین دنیا ومتنافسین کا جمگھٹا ہوگیا۔جب اکبر کو ان کی بدنیتی۔غرض پرستی اور دنیا

طلبی کا تجربہ ہوا تو وہ علماء سے سخت متنفر ہو گیا اور پھر تو بات یہاں تک پہونچ گئی کہ علماء سے اس نے کلی اجتناب کر لیا اور دوسرے مذاہب کے پیشوا اس پر قابو یافتہ ہو گئے پھر اسلام کی جگہ دین الٰہی بننے لگا۔ملفوظات مولانا الیاس ص 101 ۔102 ۔ملفوظ نمبر 144

حضرت والا کا یہ ملفوظ اپنی جگہ سو فیصد درست ۔مگر آپ اس ملفوظ کو بار بار پڑھئے اور بتائیے کہ کیا اس ملفوظ کی روشنی میں علماء کرام سے قربت پیدا ہوگی؟ یا اجتناب کا خیال آئے گا؟ کیا ہر عالم پر دنیا پرستی کا واہمہ نہیں ہوگا؟ کیا کسی بھی مجلس کو اہل علم کے حوالے کرنے سے انسان گریز نہیں کرے گا؟ اور کیا علماء کرام کے فیصلے مشکوک نہیں ٹھہریں گے؟ حالانکہ تاریخی اعتبار سے حضرت کا یہ ملفوظ مبنی بر حقیقت ہے خود حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بھی اسی طرح کے الفاظ موجود ہیں مگر اکبری دین الٰہی کا پوسٹ مارٹم آخر کس نے کیا تھا؟ وہ بھی تو علماء ہی تھے اس لیے ان کا بھی ذکر آنا چاہیے۔ ورنہ یکطرفہ ذھنیت کا پیدا ہو جانا کوئی مستبعد نہیں

اسی طرح ایک دوسرے طویل ملفوظ میں آپ نے اپنی مروجہ تحریک چھیڑنے کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ.... میں شروع میں مدرسہ پڑھایا تو طلباء کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلباء کثرت سے آنے لگے۔ میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم بننے ہی کے لیے مدرسوں میں آتے ہیں مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل بھی وہی ہونگے جو آجکل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں..... یہ سوچ کر مدرسے میں پڑھانے سے میرا دل ھٹ گیا....اس کے بعد میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی۔

اللہ کا کرنا کہ آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات وأحوال کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی سے حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا زیادہ سے زیادہ یہی کہ کچھ صاحب احوال اور ذاکروشاغل لوگ پیدا ہو جائیں گے..... یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی.... اس کے بعد (حضرت نے یہ تحریک شروع کی).... ملفوظات مولانا الیاس... ص115 ملفوظ نمبر 159

اس ملفوظ کو بھی بغور پڑھئے اور دیکھئے کہ درس وتدریس اور مدارس کی زندگی سے متعلق کیا تاثر قائم ہوتا ہے؟ اور خانقاہی ریاضتوں پر کیسی کاری ضرب لگتی ہے؟ بھلا ایسے ملفوظات کو پڑھنے والا کیوں کر اہل مدارس کو اہمیت دے گا؟ اور کیسے خانقاہوں کی عظمت کے گن گائے گا؟ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت نے خود اپنی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو الفاظ کا پیکر دیا ہے مگر پڑھنے والا اگر اپنی گہری نظر سے دیکھ لے اور سوچنے والا اپنے دماغی دریچوں کو کھول دے تو کبھی بھی اس کی نگاہ میں مدارس وخوانق کی اھمیت نہیں بیٹھ سکتی اور علماء وبزرگان دین کے کاموں کو وہ انسان ہرگز ہرگز بڑا کام نہیں مان سکتا.... تو اب بتلایئے کہ ایسے میں کوئی انسان علماء کو سر کا تاج کیسے سمجھ سکتا؟ اور اہل خانقاہ کو محترم ومعظم کیسے یقین کرسکتا؟ حضرت والا کے ملفوظات میں اس قسم کے اور بھی ملفوظ ہیں مگر احاطہ کرنا تو میرا مقصد نہیں. بلکہ مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے کہ جماعتی احباب کے درمیان علماء ومدارس کی ناقدری کہیں ایسے ہی ملفوظات کا شاخسانہ تو نہیں ہے؟ اور مدارس وخوانق کے ساتھ عوامی بے اعتنائی کی بنیاد کہیں اوپر سے تو نہیں ہے؟ بہر حال فیصلہ اب آپ کیجئے..

قسط 18

گذشتہ قسطوں میں یہ بات آ چکی ہے کہ تبلیغ کی حیثیت حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رح کے نزدیک کیا ہے؟ مگر محترم افتخار فریدی صاحب کی ترتیب دی ہوئی کتاب ارشادات ومکتوبات میں کچھ ایسے ملفوظات بھی نظروں سے گذرے ہیں کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس لئے تبلیغ کی حیثیت واھمیت پر کچھ اور بھی خامہ فرسائی برداشت کیجئے۔

تمہیداً یہ عرض ہے کہ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی جب بھی تبلیغ کی اھمیت پہ روشنی ڈالتے ہیں تو مطلقاً تبلیغ کی اہمیت مراد نہیں ہوتی بلکہ ان کی اپنی چھیڑی ہوئی تبلیغ مراد ہوتی ہے اور اسی مروجہ طریقہ تبلیغ پر تمام فضائل کو منطبق فرماتے ہیں...... نماز کی فرضیت واہمیت سے بچہ بچہ واقف ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ عبادات میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ بانی جماعت کے نزدیک معاملہ کچھ اور ہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز شب معراج میں ملی اور یہ (تبلیغ) پہلے دن آئی۔ تبلیغ حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے اور نماز کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا....... ارشادات ومکتوبات ص 34
اس ملفوظ سے آپ کیا نتیجہ نکالیں گے؟ یہی نا؟ کہ تبلیغ کی اہمیت نماز سے بھی زیادہ ہے تبھی تو نماز جا کر لانی پڑی ہے جبکہ تبلیغ یہاں بھیجوائی گئی ہے۔ نماز کا حکم بعد میں ملا ہے جبکہ تبلیغ کا حکم پہلے دن سے ہے اس لئے حضرت والا کے نزدیک تبلیغ نماز سے بھی اُفضل ٹھہری...اور چونکہ تبلیغ بھی ایک عبادت ہے اس لئے حضرت کے بقول ساری عبادات میں افضل اگر کوئی

چیز ہے تو وہ تبلیغ ہے نہ کہ نماز..... فقہاء نے کہہ دیا ہے تو کہنے دیجئے۔ محدثین کی روایت کو رہنے دیجئے اور روز محشر کہ جاں گداز بود اولیں پرسش

نماز بود کو بھول جایئے کیونکہ نماز تو بعد کی چیز ہے۔ پہلی چیز تبلیغ ہے۔ البتہ ایک دوسری جگہ آپ نے فرمایا ہے کہ تبلیغ کا کام اس طرح کرو جس طرح نماز پڑھتے ہو..... ارشادات ومکتوبات ص 20 اس ملفوظ میں حضرت کاندھلوی ایک زینہ نیچے اترتے ہیں اور تبلیغ ونماز دونوں کو ایک ہی درجہ میں لاکھڑا کرتے ہیں۔ لیکن پھر جب جذبی کیفیت کا زور بڑھتا ہے تو یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تحریک اسلام کو جنم دینے والی ہے...... ارشادات ومکتوبات ص 36 لیجئے اب سے پہلے تک تو تبلیغ بھی اسلام ہی کا ایک شعبہ تھا گو کہ تبلیغ حضرت کے نزدیک تمام عبادات میں سب سے افضل ہی کیوں نہ ہو لیکن تھا اسلام کے ماتحت ایک شعبہ۔ مگر اب تو خود اسلام ہی تبلیغ کے ماتحت آ گیا اس لئے کہ تبلیغ سے اسلام جنم لیتا ہے...... مگر ہاں... ایک اور بات پہ توجہ مرکوز کیجئے کہ حضرت کاندھلوی نے یہ نہیں کہا ہے کہ تبلیغ سے اسلام جنم لیتا ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ.... یہ تحریک اسلام کو جنم دینے والی ہے.... اور تمام قارئین واقف ہیں کہ یہ تحریک خود حضرت کاندھلوی کی چھیڑی ہوئی تحریک ہے جیسا کہ گذشتہ قسطوں میں بارہا یہ عبارت آ چکی ہے کہ..... میری یہ تحریک.... میرا یہ طریقہ...... گویا حضرت کے ایجاد کردہ طریقہ تبلیغ سے اسلام جنم لیتا ہے.... اب ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ حضرت کا یہ ملفوظ کتنی خطرناکیوں پہ مشتمل ہے؟ اور اس سے کیا کیا نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں؟

اسی طرح یہ ملفوظ بھی سامنے رکھئے کہ یہ طریقہ تبلیغ کشتی نوح ہے جو اس میں سوار ہوگا محفوظ

ہوجائے گا........ارشادات ومکتوبات ص37

اگر کوئی فقیہ ہماری گرفت نہ کرے اور مفہومِ مخالف کی اجازت دیدے بلکہ کلام الناس میں مفہوم مخالف کو جائز رہنے دے تو پھر اس ملفوظ کا صاف مطلب یہی نکلے گا کہ جب مروجہ طریقہ تبلیغ کشتی نوح ہے تو جو بھی اس میں سوار نہیں ہوگا وہ یقیناً غرقِ آب ہوکر رہے گا اس لئے وہ تمام حضرات اپنی خیر منائیں جو اب تک حضرت کے طریقہ تبلیغ سے نہیں جڑے ہیں......مگر ہاں.....ذرا یہ عقدہ بھی تو حل ہونا چاہئے کہ آپ کے ایجاد کردہ طریقہ تبلیغ کو کشتیٔ نوح کا پروانہ کہاں سے ملا؟

اور مروجہ طریقہ کو تمام انسانوں کا محور نجات کس نے کہا؟ اگر کسی نئ وحی نے یہ مزدہ جاں فزاء سنایا ہے تو پھر اوروں کو خیر منانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اب کسی نئ وحی کا کوئی امکان نہیں۔ خیر تو انہیں منانی ہوگی جو کسی انسانی کلام کو وحی کا درجہ دیتے ہوں   افتخار فریدی صاحب نے ارشادات ومکتوبات کے نام سے جو ملفوظات جمع کئے ہیں اس میں تو بعض ملفوظات ایسے بھی ہیں جنھیں پڑھ کر طرح طرح کا دھوکہ ہوتا۔ کہیں ایسا بھی محسوس ہوتا کہ العیاذ باللہ درجہ نبوت پر فائز ہوکر یہ ارشاد ہو رہا ہے تبھی تو اپنے طریقہ تبلیغ پر اذعان ویقین کے ساتھ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان کی بلائیں ٹلنے کا تبلیغ میں مر مٹنے کے سواء اور کوئی علاج نہیں۔ یہ اس کا واحد علاج ہے........ارشادات ومکتوبات ص43

اب غور کیجئے کہ حضرت والا نے اتنے وثوق اور اعتماد کے ساتھ اپنے طریقہ تبلیغ کو تمام بلاؤں کا حل کہا ہے کہ گویا آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے حالانکہ یہ طریقہ بھی نو ایجاد اور وحی ربانی

کا کوئی تصور بھی نہیں۔اس کے باوجود ع...... بکے جارہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ مہاعمل تو تبلیغ ہے.....ارشادات ومکتوبات ص68

ایک اور موقع پر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تحریک دیگر اعمال کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر مخلوق پر فضیلت ہے.....ارشادات ومکتوبات ص78اور یہ مسلم ہے کہ پوری کائنات سے افضل حضور پاک ہیں اس لیے مذکورہ تشبیہ کے تقاضہ سے ماننا ہوگا کہ تمام عبادات سے افضل حضرت کا طریقہ تبلیغ ہے۔ایک اور جگہ آپ نے فرمایا کہ اس کام کے لیے دنیا میں صرف بارہ ہزار افراد کافی ہیں یہ اپنی قلت کے سبب ناکام نہیں ہوسکتے صرف اصول کی بنا پر ہوسکتے ہیں۔ یہ حکومت کے قائم مقام ہونگے......ارشادات ومکتوبات ص 38 حضرت کاندھلوی تو صرف بارہ ہزار افراد کو کافی قرار دے رہے ہیں اس لیے اب سوچنا کیا ہے؟ اب تو کامیابی ہی کامیابی ہوگی اس لئے کہ ابھی تو لاکھوں افراد ہیں۔

الغرض اس کتاب میں ایسے ایسے ملفوظات ہیں کہ کوئی اگر کہنے پہ آئے تو مدعی نبوت بھی کہہ سکتا اور ملعون مرزا قادیانی سے بہت آگے بھی بڑھا سکتا ہے کیونکہ جس یقین اور حصر کے ساتھ آپ کے ارشادات ہیں ان کے تناظر میں جو بھی کہہ دیا جائے۔فٹ ہوجائے گا مگر چونکہ راقم سطور میں یہ ہمت نہیں اور آپ کی جذبی وجنونی کیفیات کو دیکھتے ہوئے مجھ میں یہ جرآت نہیں کہ آپ کی شان اقدس میں معمولی سی بھی گستاخی برداشت ہو البتہ آپ کے ان ارشادات کو ایک ولی کا ارشاد مانتے ہوئے یا تو تعبیر کی غلطی کہہ دیں گے یا مغلوب الحال مان کر گذر جائیں گے۔ اور یہی اسلم واحوط طریقہ بھی ہے حالانکہ ہم نے جماعت کے

ساتھیوں کو کچھ ایسا بھی غلو کرتے دیکھا ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب نے جو کہہ دیا اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ نہ سننا گوارہ ہے نہ خلاف کرنا منظور ہے۔ جبکہ آپ بھی ایک انسان تھے۔ سھو وخطا کے معجون مرکب تھے اور بشری تقاضے کے تحت سبقت لسانی یا غلط تعبیر کے امکانات آپ میں بھی موجود تھے اور شاید اسی لیے آپ نے یہ ارشاد فرما رکھا ہے کہ کسی کی ذات یا کلام سے اتنا جی لگانا کہ اس کی ذات کو جناب رسول اللہ صلعم کا بدل اور کلام کو کلام اللہ کا بدل بنالے یہ میرے نزدیک دہریت ہے...... ارشادات ومکتوبات ص 18

قسط 19

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کی داغ بیل درحقیقت حضرت تھانوی نے ڈالی تھی اور آپ نے مبلغین کی جماعتوں کو علاقہ میوات وغیرہ میں بھیجنا شروع کررکھا تھا۔ باضابطہ ہرایک ضلع کی کارگذاری بھی منگوائی جاتی تھی۔ لیکن حضرت تھانوی کا انداز یہ نہیں تھا جو کہ آج ہے بلکہ آپ کے نزدیک مبلغین کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری تھا علماء وحفاظ کو جماعت کی شکل میں مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا۔ اس کے لئے دس گیارہ افراد کی بھی کوئی قید نہ تھی بلکہ دو تین افراد پر مشتمل جماعت بھی کار تبلیغ کے لیے اگر مہیا ہوتی تو حضرت تھانوی انہیں کو ھدایات اور دعاؤں کے ساتھ روانہ کردیتے۔ حضرت تھانوی کے کارکنان میں سے ایک کارکن حضرت مولانا الیاس کاندھلوی بھی تھے۔ البتہ حضرت تھانوی کی حیات میں ہی چونکہ حضرت مولانا الیاس نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پورے طور پر جھونک دیا تھا اس لئے حضرت تھانوی نے اس طرف سے توجہ ھٹالی کہ کام ہونا چاہیے۔ چاہے جو بھی کرے۔ اب

مولانا الیاس صاحب کی شکل میں کام کرنے والے موجود تھے اس لیے حضرت تھانوی نے دوسرے امور پہ توجہ مرکوز کر دی۔

حضرت تھانوی کے حالات پہ مشتمل سب سے مستند کتاب اشرف السوانح کی تیسری جلد سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے.... چنانچہ ایک جماعت آپ نے بھیج رکھی تھی جس میں مرتب اشرف السوانح بھی شریک تھے انھوں نے اپنا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس تبلیغ سے حضرت دام ظلہم کو اس قدر تعلق خاطر تھا کہ اس دوران ایک دوست نے احقر کو حج کے لئے ہمراہ لے جانا چاہا احقر کو بیحد اشتیاق تھا بہت خوش ہوا اور حضرت والا سے اجازت چاہی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کام میں یہاں مشغولی ہے وہ حج نفل سے مقدم اور افضل ہے..(ص335).

اسی صفحہ کا ایک والا نامہ بھی دیکھئے جو کہ آگرہ. پلول اور نوح وغیرہ کے لئے بھیجی ہوئی جماعت کے نام ہے.... السلام علیکم. حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں اور مجھ کو اس سے پہلے بھی صرف آپ جیسے مخلصین کا جانا اور پھر مولوی محمد الیاس صاحب کا ساتھ ہو جانا یقین کامیابی دلاتا تھا.....(ج3ص335).

اس سے آگے رمضان 41ء کے مختلف خطوط کا تذکرہ کرنے کے بعد مرتب اشرف السوانح فرماتے ہیں کہ...ان ارشادات کا مقصد صرف یہ خیال میں آیا کرتا تھا کہ حوصلہ افزائی فرمائی جاتی ہے لیکن جب تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ایک جماعت نے تمام علاقہ تبلیغی یعنی 29 ضلعوں کا مفصل حال لکھ کر شائع کیا اور اس روئداد میں یہ تصریح بھی درج تھی کہ تحصیل پلول جہاں احقر

اور مولوی عبدالمجید صاحب کارِ تبلیغ انجام دیتے تھے اول نمبر کامیاب رہی تب معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور پیشین گوئی تھی جو خدا کے فضل سے بالکل صحیح ہوئی...(ج3 ص336۔337)

مذکورہ بالا اقتباسات سے جہاں حضرت مولانا الیاس صاحب کا ساتھ ساتھ مل کر کام کرنا ثابت ہوا وہیں حضرت تھانوی کی مساعی جمیلہ کا دائرہ کار بھی واضح ہوگیا کہ آپ نے علاقہ میوات میں تبلیغی کاموں کے بیج بودیئے تھے نیز 29 اضلاع میں کارِ تبلیغ کی تصریح بھی آ گئی ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ کام کا آغاز درحقیقت حضرت تھانوی نے کیا تھا البتہ اس کے نہج کو بعد میں حضرت مولانا الیاس نے دوسرا رخ دے دیا اس لئے آپ ہی بانی تبلیغ کہلانے لگے ورنہ بنیاد تو کسی اور نے ڈال رکھی تھی........خود حضرت مولانا الیاس صاحب نے دو مخلص میواتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اعتراف کر رکھا ہے گو کہ وہ تواضعاً ہی ہو مگر یہ اقرار خود آپ کا ہے کہ بھائی کام تو اصل ان لوگوں نے کیا ہے میری طرف اس تحریک کی نسبت محض دعوت کی وجہ سے ہوگئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس تبلیغی کام کی نسبت بوجہ دعوت میری طرف ہوگئی ہے ورنہ دراصل اس کے کرنے والے یہ لوگ ہیں......

ملفوظات مولانا الیاس۔ص74 ملفوظ نمبر 106

حضرت مولانا الیاس نے طریقہ تبلیغ کا جو نہج بدلا ہے وہ اگر صرف عمل کی حد تک محدود ہوتا تو کوئی بات نہ تھی مگر آپ نے تو اسے حقیقت کی حد تک بدل ڈالا ہے مثلاً یہ کہنا کہ ہر مرض کا علاج تبلیغ ہی ہے....ارشادات ومکتوبات ص 36 یا یہ کہنا کہ قتال جہاد کا آخری درجہ ہے حقیقت میں جہاد دین کے اندر کی کوشش کا نام ہے اسی کو تبلیغ کہتے ہیں......ارشادات

وملتوبات ص 77 ان جیسے بے شمار ملفوظات ہیں جنہیں پڑھ کر آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ یا خدایہ ماجرا کیا ہے؟ اسی لئے میں نے کہا کہ آپ نے اس تھانوی نہج کو یکسر بدل ڈالا اور ایسا بدلا کہ اب بھولے سے بھی حضرت تھانوی کا تصور نہیں آتا۔

الغرض حضرت مولانا الیاس صاحب کے دور میں بھی تبلیغ کرنے والے افراد موجود تھے اور علاقہ میوات یا دوسرے مقامات پر بھی تبلیغ ہو رہی تھی اس کے باوجود حضرت کا یہ ملفوظ کہ۔۔۔ میری اس کمزوری اور بیماری کی وجہ علماء اور اطباء کا مستقل فیصلہ ہے کہ میں بات چیت بالکل نہ کروں حتی کہ سلام ومصافحہ بھی نہ کروں میں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی صرف اس دینی فریضہ کے احیاء کے لیے کرتا ہوں جس کے لئے مجھے معلوم ہے کہ اگر میں اس کو نہ کروں تو پھر یہ فریضہ اس وقت زندہ نہ ہو سکے گا۔۔۔ ملفوظات مولانا الیاس ص 102 ملفوظ نمبر 145

حضرت کے اس ملفوظ کو قارئین کس خانے میں رکھیں گے؟ یہ تو وہ جانیں۔ صحیح مانیں گے یا غلط کہیں گے۔ یہ تو ان کا کام ہے۔۔۔ مگر راقم سطور کو حیرت اس بات پر ہے کہ آپ کے علاوہ جب اور لوگ بھی تبلیغی امور پہ کمر بستہ تھے تو آپ نے اپنے بارے میں اتنے وثوق ویقین کے ساتھ کیسے فرمایا کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں تو یہ فریضہ زندہ نہ ہو سکے گا۔ اتنا وثوق واعتماد تو صرف وحی کے ذریعے ہو سکتا ہے ورنہ خود آپ کو بھی اعتراف ہے کہ۔۔ دین کا کام جب کچھ لوگوں پر موقوف ہو تو پھر جان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔۔۔۔ (بحوالہ بالا) جان کی پرواہ نہ کرنا اور بات ہے اور فریضہ کا زندہ ہونا یا نہ ہونا اور بات ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ جان کھپا دینے کے باوجود کوئی فریضہ زندہ نہ ہو سکے۔۔۔

سیرت رسول کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوست و دشمن ہر ایک نے دعاء کی درخواست کی ہے اور دشمنوں نے بھی اپنی پریشانیوں کا رونا رویا ہے۔ مگر کبھی آپ نے دعاء کرنے کے لیے یہ شرط نہیں لگائی کہ میرا جو مشن ہے پہلے اسے قبول کرو پھر تمہارے لیے دعاء ہوگی۔ جبکہ حضرت مولانا الیاس صاحب کے پاس ایک صاحب تشریف لائے اور جوان بیٹی سے متعلق دعاء کی درخواست کی تو مولانا نے کیا جواب دیا ہے؟ آپ خود ہی پڑھ لیجیے کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ لڑکی جوان بیٹھی ہے دعاء کر دیجئے تو فرمایا.... تم مستقل ارادہ کرلو کہ تبلیغ کا کام کروں گا اور اب تک کی کوتاہیوں کی معافی مانگو اور تبلیغ میں نکل کر دعاء مانگو........ ارشادات ومکتوبات ص 20

لیجیے بیچارے کو دعاء بھی نہیں ملی اور الٹے ایک کام اور سر لگ گیا..... شاید ایسے ہی ملفوظات نے مروجہ اہل تبلیغ کو اس قدر سخت بنا دیا ہے کہ بچے بلک رہے ہوں۔ پرواہ نہیں۔ اہلیہ روک رہی ہو۔ خیال نہیں۔ والدین اپنی خدمات کو ترس رہے ہوں۔ کوئی فرق نہیں۔ بس جماعت میں نکلنا ہے......

حضرت کے متعدد ملفوظات سے واضح طور پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ خانقاہوں میں جو کام ہوتا ہے وہ اصل دین کا کام نہیں ہے یعنی حضرت کے طریقہ تبلیغ کے خلاف ہے بلکہ اسے تبلیغ کہنا بھی بعضوں کو منظور نہیں ہے خود میں نے حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کئی احباب سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انھوں نے سال تو نہیں لگایا ہے... گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابھی وہ دین کے کام میں نہیں لگے ہیں۔ العیاذ باللہ..........

خیر اہل جماعت کیا کیا کہتے ہیں ابھی تو اس سے کوئی بحث نہیں. ابھی تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ خانقاہی کاموں کو جماعتی احباب (اپنے جدید طریقہ تبلیغ کے اعتبار سے) دین نہیں مانتے اور خود حضرت مولانا الیاس بھی اسے تبلیغ ماننے سے گریزاں ہیں. ان تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا یہ ملفوظ بھی پڑھ لیجیے کہ بابا فرید گنج شکر اور حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بڑے محدثین آتے تھے انھوں نے ان کو مبلغ بنایا.... ارشادات ومکتوبات ص 24

یہ مبلغین کون ہیں؟ وہی نا؟ جن کو ہم خلفاء کہتے ہیں. مجاز بیعت کا نام دیتے ہیں اور جانشین وگدی نشین سمجھتے ہیں.... اگر خانقاہوں میں تبلیغی کام نہیں ہوتا تو یہ مبلغین کہاں سے پیدا ہو گئے؟ بابا فرید کے بارے میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ بابا فرید گنج شکر کے یہاں 400 مبلغ رہا کرتے تھے...... ارشادات ومکتوبات ص 36 یہ چارسو مبلغین کون ہونگے؟ وہی نا؟ جو آپ سے بیعت ہو کر خانقاہی نظام کے تحت اپنی ریاضتوں میں مشغول ہوں گے. نہ تو چلت پھرت ہوگی اور نہ ہی قریہ قریہ گھومنا ہوگا. بلکہ فاقہ کشی ہوگی. ریاضت ومجاھدہ ہوگا. اللہ اللہ کی رٹ ہوگی لطائف کا اجراء ہوگا اوراذکار و وظائف ہونگے. مگر ان فاقہ کشوں کا بھی نام ہے تو مبلغ....... پتہ چلا کہ خانقاہی افراد بھی مبلغین ہیں اوران کا کام بھی نبیوں والا کام ہے

قسط 20 (آخری قسط)

حضرت مولانا الیاس کاندھلوی نوراللہ مرقدہ سے اللہ پاک نے جو اصلاحی کام لیا ہے وہ یقیناً

ایک عظیم کارنامہ ہے اور بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ رشد وھدایت کا ایک تجدیدی کام آپ سے لے لیا گیا ہے۔ البتہ کام کا میدان جب تک وسیع نہیں ہوتا لوگ اسے قابل اعتناء نہیں سمجھتے ہیں۔ اور جب کام پھیل جاتا اور اسے قبولیت کی سند مل جاتی ہے تب لوگوں کی آنکھیں کھلتی ہیں اور پھر عقل وخرد کے ترازو پہ تولنا شروع ہوجاتا ہے۔ علم ومعرفت کی باریکیوں سے پرکھا جانے لگتا اور دلائل وبراھین کے پیمانے سے ناپا جانے لگتا ہے۔ کبھی تجربات ومشاھدات سے اس کے کھرا اور کھوٹا ہونے کا فیصلہ ہوتا اور کبھی اس کام کے اندرو باہر کے خدوخال سے طے کیا جاتا ہے کہ یہ کام کیسا ہے؟ از روئے شرع اس پر کیا حکم لگے؟ اور حالات وکردار سے اسے کس درجہ میں رکھا جائے؟ مروجہ تبلیغی جماعت کو بھی صرف ایک دینی کام کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا اور افادیت کے پیش نظر اس کی کمی کوتاہیوں کو یکسر نظر انداز کردینے کا مزاج بنا ہوا تھا اسی لئے جب بھی غیروں نے اعتراض کیا تو فکر دیوبند سے متاثر علماء نے بڑھ چڑھ کر ان کا تعاقب کیا ہے کیونکہ دنیا والوں کے سامنے یہ دیوبندی جماعت سے متعارف تھی۔ اکابر دیوبند سے قدیمی تعلق کی بنا پر اسے دیوبندی جماعت کہا جاتا تھا اور اسی نسبت دیوبند کی وجہ سے جہاں جہاں بھی فکر دیوبند کے اہل کار موجود تھے وہاں وہاں قدم جمانے میں اسے خوب موقع ملتا چلا گیا۔ نتیجۃً تحریک دیوبند کے ساتھ تحریک جماعت بھی اچھا خاصہ فروغ پا گئی۔ مگر یہ جماعت جب حد سے زیادہ پھیل گئی اور اس کے پاؤں بہت زیادہ کشادہ ہوگئے تو پھر جس فکر دیوبند کی بیساکھیوں سے انہیں پرواز ملی تھی اسی کے فرزندوں نے اپنا فریضہ منصبی سمجھتے ہوئے اس کے بال وپر کی تحقیق شروع

کردی۔اور جن اکابر کی نسبت سے اسے فروغ ملا تھا انہیں اکابر کے چاھنے والوں نے اپنی ذمہ داری جانتے ہوئے اس کے اندرون میں جھانکنا شروع کر دیا کہ کہیں کسی جگہ فالٹ تو نہیں ہے؟ اور اندر وباہر میں کوئی تضاد تو موجود نہیں؟ چنانچہ ایک مبتدی طالب علم کی حیثیت سے جب حضرت کاندھلوی کے ملفوظات ومکتوبات کا میں نے مطالعہ شروع کیا تو حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی۔تضادات کا انبار۔ادّعائی ملفوظات بے شمار۔دوسرے تمام دینی شعبہ جات کی تنقیص۔دینی اصطلاحات کی بیجا تشریح وتفہیم اور فضائل ومناقب والے الفاظ کا صرف اپنی جماعت پر انطباق........سچ پوچھئے تو خود اپنی فہم ونظر کو خطاوار قرار دینے کی ہزار کوشش کرتا رہا اور عقیدت کے مضبوط ترین کنکریٹ سے اپنا سر ٹکراتا رہا.. مگر حقیقت کہیں چھپانے سے چھپا کرتی ہے؟ اور خیالی کنکریٹ کہیں طوفانی ہواؤں کی تاب سہہ سکتے ہیں؟ اس کے باوجود میں نے ملفوظات ومکتوبات سے معدودے چند اقتباسات کو اہل علم کی عدالت میں رکھ دیا ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ قصور اپنی فہم کا ہے یا ملفوظ کا؟ غلطی میری نگاہوں کی ہے یا مکتوبات کی؟ اور ٹھوکر خود میں نے کھائی ہے یا کسی اور نے؟ بات جب ٹھوکر کھانے کی آ گئی ہے تو لگے ہاتھوں ایک اور پہلو پہ بھی فیصلہ لینے کی ہمت کیجئے کہ کسی بھی غیر مسلم حکومت کی طرف سے دینی واسلامی تحریک کی مالی امداد........یقیناً اس تحریک کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے کافی ہے بالخصوص انگریزی حکومت کی امداد۔اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ ان کا ستارہ غروب ہو رہا ہو۔اور ان کے چل چلاؤ کا وقت ہو اس وقت اگر وہ کسی تحریک کو مالی فائدہ پہنچاتی ہے تو آپ بھی اس تحریک کو ناقابلِ اعتبار کہنے میں شاید

دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت مولانا الیاس کاندھلوی اوران کی تحریک کوانگریزی حکومت کا مالی تعاون ملنا...یہ بھی میری نظروں نے پڑھا ہےاوراسے بھی میری فہم نے سمجھا ہےاس لئے آپ قارئین کی عدالت میں وہ اقتباس حاضر ہےتا کہ پتہ چلے کہ۔

ع قصور میرا ہے یا تیرا مکالمۃ الصدرین نام کا ایک کتابچہ ہےاس کے صفحہ 8 پر حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کا یہ کھلا اعتراف درج ہے کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کوبھی ابتداء حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا۔

خیال رہے کہ حکومت سے مراد آزادی سے قبل والی حکومت ہے کیونکہ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کا یہ اعتراف دسمبر 1945 کا ہےاورآزادی 1947 میں ملی ہےاس لئے آزادی سے قبل والی حکومت کی امداد ہےاورجس مجلس میں مولانا حفظ الرحمن نے اتنا بڑا انکشاف کیا ہےاس میں علامہ شبیر احمد عثمانی بھی ہیں۔مولانا حسین احمد مدنی بھی۔مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی بھی ہیں مفتی عتیق الرحمن عثمانی بھی۔اسی طرح سحبان الھند مولانا احمد سعید بھی ہیں اورمولانا عبدالحنان ومولانا عبدالحلیم بھی۔ایسے ایسے جبال العلم اورذمہ دارعلماء کے سامنے برملا یہ اعتراف ہے کہ مروجہ تبلیغی تحریک کوحکومت کی امداد حاصل تھی....چلئے یہ تو دوسروں کا اقرارتھااب ذرا خودحضرت مولانا الیاس کا اعتراف بھی پڑھ لیجیے کہ نواب چھتاری کے یہاں بہت ساراوقف ہے میرے والد کے زمانے میں سینکڑوں ماہوارحضرت

والد نوراللہ مرقدہ کے واسطے سے بیوگان ۔ یتامی اور مساکین کے لیے مقرر تھے میرے آنے کے بعد خود میرے بھی پانچ روپے آتے رہے سلسلہ جنبانی نہ ہونے سے یہ پانچ تک جاتے رہے..... مکتوبات مولانا الیاس مرتبہ علی میاں ندوی ص 117

اس مکتوب میں خود حضرت نے اپنے لئے پانچ روپے آنے کا اعتراف کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بند ہو جانے پر کسی قدر افسوس کا اظہار بھی ..... اب آپ ذرا نواب چھتاری کی حقیقت بھی سامنے رکھئے کہ یہ کون ہیں؟ یہ نواب چھتاری (سعید الملک نواب سر محمد احمد سعید خاں۔ ولادت 1888 وفات 1982) انگریزوں کے خاص الخاص فرد ہیں 1923 سے 26 تک صوبجات متحدہ کے کابینی وزیر۔ 1933 میں گورنر اور 37 میں وزیر اعظم رہے۔ 1941 میں قومی دفاعی کونسل کے رکن بنے اور 1941 سے 46 تک نظام حیدر آباد اور صدر المہام کے عہدے پر فائز رہنے والے نواب ہیں۔ ان کی طرف سے جو امداد آ رہی ہے اسے کیا کہیں گے؟ کیا اسے حکومت انگریز کی امداد نہیں کہیں گے؟ قارئین کے لیے یہ انکشاف بھی تعجب خیز ہوگا کہ مکتوبات کا یہ خط اسی حاجی رشید احمد صاحب کے نام ہے جن کے توسط سے بقول مولانا حفظ الرحمن مولانا الیاس کو حکومتی امداد ملا کرتی تھی۔ پتہ چلا کہ حاجی رشید صاحب بھی حکومت کے آدمی اور نواب چھتاری بھی حکومت کے مقرب.....

ایسے میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس مروجہ تحریک کی سرپرستی کہیں انگریزی حکومت نے تو نہیں نبھائی ہے؟ مجھ میں فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں۔ فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے۔ لیکن اگر یہ حقیقت ہے (اور حقیقت نہ ہونے کا شبہ بھی نہیں کیونکہ خود مولانا الیاس نے اعتراف کر رکھا ہے)

تب تو ہمارے لئے یہ انتہائی شرمناک بات ہوگی کیونکہ آج تک ہم نے بڑے ہی فخر سے رضا خوانیوں کو انگریز کی پیداوار کہا ہے اور غیر مقلدین کو انگریزی کوکھ سے جنم لینے والا بتلایا ہے جبکہ ہم اہل دیوبند سے منسوب مروجہ تبلیغی جماعت بھی اسی انگریز کی نمک خوار ثابت ہورہی ہے اور یہی الزام ان دونوں جماعتوں کا ہمارے اوپر قدیم زمانے سے منڈھا ہوا ہے۔ گویا ہمارے لئے نہ توٹھہرنے کی گنجائش اور نہ بھاگنے کا راستہ.....اگر انھوں نے ہم سے یہ پوچھ دیا تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا کہ سنا ہے ہمیں بے وفا تم کہو ہوذرا ہم سے آنکھیں ملالوتو جانیں۔

ارے ہاں بستی نظام الدین دہلی کی اس مسجد کے نام پہ بھی توغور کر لیجئے جسے آج لوگوں کی زبان میں مرکز کہا جاتا ہے اس مسجد کا نام ہے بنگلہ والی مسجد۔ یہ بنگلہ کس کا تھا؟ یہ بنگلہ تھا مرزا الہی بخش کا جسے تاریخ نے غدار وطن۔ غدار ملک۔ غدار قوم اور انگریزوں کا وفادار کہا ہے۔ اسی مرزا الہی بخش کے یہاں مولانا الیاس کے والد مولانا اسماعیل صاحب ٹیوشن پڑھاتے تھے اور اسی مرزا الہی بخش نے مولانا اسماعیل کے کہنے سے پہلے پہل میواتیوں کو وظیفہ وطعام جاری کیا تھا گویا ابتدائی امداد بھی ایک انگریزی وفادار اور ملک کے غدار نے کی تھی۔ اور اسی غدار نے خود اپنے بنگلہ کے پھاٹک پر ٹین ڈال کر بنگلہ والی مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ جسے آج فخر سے مرکز کہا جارہا ہے......

لگے ہے پھول سننے میں ہر اک بات سمجھ لینے پہ انگارا لگے ہے

ضمیمہ برائے وضاحت

اھل علم دوستوں کی طرف سے قسط وار سلسلہ مضامین کی بعض مشمولات سے متعلق مزید وضاحت کی خواہش ہوئی اس لئے میں نے سوچا کہ ایک ضمیمہ لگا دیا جائے تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے=====

قسط 19 میں یہ بات آئی تھی کہ تبلیغی جماعت کی داغ بیل درحقیقت حضرت تھانوی نے ڈالی تھی   اس عبارت سے مروجہ تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالنے کا شبہ ہوسکتا ہے اس لئے وضاحت کے طور پر یہ عرض ہے کہ حضرت تھانوی نے میوات یا دوسرے علاقوں میں جس تبلیغی کام کا آغاز کیا تھا وہ وہی تبلیغ ہے جو اسلاف سے چلتی چلی آرہی تھی گویا وہ مطلقاً تبلیغ تھی نہ کہ مروجہ طریقہ تبلیغ۔ کیونکہ مروجہ طریقہ تبلیغ کے بانی تو حضرت مولانا الیاس ہیں نہ کہ حضرت تھانوی

اسی طرح قسط 19 میں یہ بات بھی آئی ہے کہ مولانا الیاس بھی حضرت تھانوی کے تبلیغی کارکنان میں سے ایک کارکن تھے تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے حضرت مولانا الیاس نے بھی انہیں دنوں تبلیغی کام شروع کردیا تھا لیکن وہ اپنے طور پر تبلیغ کیا کرتے تھے ایسا نہیں کہ حضرت تھانوی نے آپ کو کہیں تبلیغ کے لئے بھیجا ہو البتہ مولانا الیاس کا طرز تبلیغ اب تک کوئی بہت زیادہ جداگانہ نہ تھا اسی لیے آپ نے حضرت تھانوی کے بھیجے ہوئے مبلغین کے ساتھ مل کر بھی کام کیا ہے اور اسی اعتبار سے آپ کو حضرت تھانوی کے کارکنان میں سے ایک کارکن کہا گیا ہے۔ ایسا نہیں کہ آپ باضابطہ حضرت تھانوی کے حکم سے تبلیغ کے لیے نکلا کرتے تھے۔

قسط 20 میں مرزا الٰہی بخش کو غدار اور انگریزوں کا وفادار کہا گیا ہے لیکن ایک تو اس میں کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ دوسرے غداری کی تفصیل بھی واضح نہیں ہوسکی ہے اس لئے یہ عرض ہے کہ ایک کتاب ہے عبداللہ فاروقی صاحب کی مرتب کردہ : بہادر شاہ ظفر کا افسانہ غم : جس کی تاریخ اشاعت ہے جنوری 1989ء۔اس کتاب کا یہ اقتباس پہلے پڑھئے کہ......

ایام بغاوت میں جن لوگوں کا ہاتھ موافق یا مخالف کام کرتا رہا ہے ان میں چار اشخاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اول حکیم احسن اللہ خاں۔دوسرے مرزا الٰہی بخش۔تیسرے بخت خاں اور چوتھے مرزا مغل۔حکیم احسن اللہ خاں مشہور شاہی طبیب تھے اور مرزا الٰہی بخش بادشاہ کے سمدھی اور رشتہ دار۔ان دونوں نے انگریزوں سے خفیہ نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کرلیا تھا۔ ادھر کی ہر ایک خبر انگریزوں کو پہنچاتے۔ادھر بادشاہ کو صلاحیں دیتے تھے بہادر باغیوں نے احسن اللہ خاں کے مکان پر دھاوا بول دیا اور ان کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن بادشاہ کے طفیل جان بخشی ہوئی۔مگر رفتار زمانہ کی نیرنگی دیکھئے کہ اختتام بغاوت پر بوڑھے بادشاہ کو مجرم ثابت کرنے میں ان دونوں کی گواھیاں خاص طور پر کام آئی تھیں۔ یہ بادشاہ کے اپنے تھے جنھوں نے طوطے کی طرح دیدے پھیر لئے تھے...... صفحہ 17۔18 اس اقتباس میں آپ نے دیکھ لیا کہ مرزا الٰہی بخش کون ہے؟ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا سمدھی بھی ہے اور انگریزوں سے نامہ و پیام رکھنے والا نمک حرام بھی۔ بادشاہ کا بظاہر صلاح کار بھی ہے اور مجرم ثابت کرنے والا غدار بھی...

یہاں یہ خیال رہے کہ بہادر باغیوں سے مراد ہمارے ھندوستانی مجاہدین اور اپنے وطن کے

وفادار سپاہی ہیں۔ اور یہ بہادر باغیوں کی فوج اپنے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی آزادی۔ اپنے ملک کی آزادی اور انگریزی حکومت سے آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے لہذا جو لوگ ان باغیوں کے خلاف انگریزوں سے نامہ و پیام رکھتے تھے وہ اپنے ملک کے بھی غدار ہیں اور مجاہدین آزادی کے بھی مخالف ہیں۔ اسی لئے مرزا الہی بخش مجاہدین آزادی کا بھی مخالف ہوا اور ملک کی آزادی کا بھی مخالف ٹھہرا۔

اسی انگریزی چیرہ دستیوں کے دوران جب قلعہ معلیٰ (لال قلعہ) میں بادشاہ کی زندگی اجیرن ہوگئی اور مجبوراً ہمایوں کے مقبرہ میں بادشاہ نے پناہ لے لی تو اس پناہ گزینی کے دوران مرزا الہی بخش کا کردار ملاحظہ کیجئے۔۔۔ ہمایوں کے مقبرے میں بخت خاں اور مرزا الہی بخش کی شکل میں بادشاہ کے پیچھے ایک چھوڑ دو دو ملک الموت لگے ہوئے تھے۔ مرزا الہی بخش نے دفتر جامع مسجد کے حاکم اعلی میجر ہڈسن کو خفیہ طور پر لکھ دیا تھا کہ میں نے بادشاہ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روک لیا ہے۔ کل مقبرہ ہمایوں میں دوبارہ ملاقات کا موقع ہے جس وقت وہ رخصت ہوں آپ تھوڑی سی فوج لے کر آئیں اور بادشاہ کو گرفتار کر لیں۔۔۔۔۔ بہادر شاہ ظفر کا افسانہ غم ص 27 یہ ہے مرزا الہی بخش۔ جو غدار ظفر بھی ہے اور غدار وطن بھی۔۔۔۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے بھی اپنی خود نوشت سوانح میں مرزا الہی بخش کی ملک دشمنی اور غداری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔۔۔۔ دہلی میں خود بادشاہ کا بیٹا مرزا مغل اور سمدھی مرزا الہی بخش ہر قسم کی امداد انگریزوں کو دے رہے تھے اور جنرل بخت خاں اور مجاہدین کی ہر قسم کی کاٹ میں مصروف تھے۔۔۔۔۔ نقش حیات حاشیہ ص 450

اسی طرح ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ دو جماعتوں نے مقصد اعلی سامنے رکھ رکھا تھا ایک جماعت مجاہدین کی تھی دوسری روہیلوں کی. یہ جنرل بخت خاں کی سرداری میں داد شجاعت دے رہی تھی........ جنرل بخت خاں نے....... بادشاہ سے کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں مگر وہ زینت محل اور مرزا الہی بخش کے ہاتھ میں کھلونا بن چکے تھے.......

نقش حیات حاشیہ ص456

پتہ چلا کہ مرزا الہی بخش نہ صرف یہ کہ انگریزوں کا جاسوس تھا بلکہ جہاد وطن کا بھی مخالف تھا اسی لئے اس نے پورے وطن کو بھی غلام بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور مجاہدین آزادی کیلئے بھی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں.

اب آیئے حضرت مولانا علی میاں ندوی کی خدمت میں. کہ انھوں نے مروجہ تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس کے والد محترم مولانا اسماعیل کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اور مروجہ تبلیغ کا آغاز کیسے ہوا ہے؟ تو حضرت ندوی فرماتے ہیں کہ مولانا اسماعیل صاحب مرزا الہی بخش صاحب (جو بہادر شاہ کے سمدھی تھے) کے بچوں کو پڑھاتے تھے. پھاٹک کے اوپر مکان میں رہتے تھے متصل ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے سامنے مرزا الہی بخش صاحب کی نشست گاہ تھی. جس پر ٹین پڑا ہوا تھا.اسی بنا پر اس کو بنگلہ والی مسجد کہتے تھے.... مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص38

اسی طرح ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں جبکہ مولانا اسماعیل صاحب کسی مسلمان میواتی مزدور کو مسجد میں لا کر قرآن پڑھانا اور نماز سکھانا شروع کر دیا تھا کہ...... یہ بنگلہ والی مسجد کی

بنیاد تھی ۔اور یہ پہلے طالب علم تھے اس کے بعد 10 ۔12 میواتی طالب علم برابر مدرسے میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش مرحوم کے یہاں سے آتا تھا.......

مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص39

اوپر کی تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے صاف صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ بنگلہ والی مسجد ایک غدار وطن اور مخالف جہاد مرزا الٰہی بخش کی بنائی ہوئی مسجد ہے اور اسی انگریزی وفادار کے گھر سے مدرسہ کاشف العلوم واقع بنگلہ والی مسجد کا آغاز ہوا ہے علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس مسجد کو بنگلہ والی مسجد کیوں کہا جاتا ہے؟

اب قارئین کو چاہیے کہ مروجہ تبلیغی جماعت کے اس خاص مزاج وامتیاز پر اپنی توجہ مبذول کریں کہ آخر یہ جماعت بھی مخالف جہاد کیوں ہے اور جہادی آیات واٗحادیث کو اپنے اوپر کیوں منطبق کرتی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کاشف العلوم کی بنیاد جس گھرانہ نے رکھی ہے ۔ بنگلہ والی مسجد کی بناء وتعمیر جس اہل خانہ نے کی ہے اور مولانا الیاس کے والد مولانا اسماعیل جس گھر کے نمک خوار ہیں ۔وہ گھرانہ اپنے وقت کا غدار وطن اور مخالف جہاد ہے؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ مروجہ تحریک تبلیغ کا مقصد بھی جذبہ جہاد کو اسلامی روپ دے کر ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا ارادہ ہو؟............ع کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

قسط نمبر 2 میں ملفوظ 56 کے حوالے سے یہ بات آئی ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب نے فرمایا کہ بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو حضرت تھانوی کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو.... الخ.....اب ظاہر ہے کہ ہر قاری کو یہ تجسس ہوگا کہ جب مولانا الیاس کی یہ دلی خواہش تھی تو

آخر ایسا کیوں نہیں ہوا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ حضرت تھانوی کی کتابوں سے کسی نے کوئی مختصر نصاب بنایا ہی نہیں۔ اسی لئے آج کی مروجہ جماعت کے نصاب میں حضرت تھانوی کی کوئی کتاب شامل نہیں؟ تو دوستو! دل کا حال تو خدا جانے۔ مگر نفس الأمر میں حقیقت مختلف ہے۔

ایک بزرگ عالم دین اور استاد المحدثین ہیں حضرت مولانا ظفر عثمانی صاحب نوراللہ مرقدہ۔ انھوں نے مولانا الیاس صاحب کے بہت سارے ملفوظات بھی جمع کئے ہیں جنہیں مولانا منظور نعمانی نے اپنی کتاب ملفوظات مولانا الیاس میں خود حضرت عثمانی کے حوالے سے شامل بھی کر رکھا ہے۔ اس لئے یہ حضرت عثمانی اگر کا شانہ تھانوی کے خادم خاص ہیں تو حضرت مولانا الیاس کے بھی انتہائی معتمد رفیق ہیں ان ہی کے ایک خطاب سے یہ اقرار ملاحظہ فرمالیں۔۔۔۔۔فرمایا کہ ایک دن مولانا محمد الیاس نے فرمایا کہ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت تھانوی کے علوم ہوں اور میرا طریقہ تبلیغ ہو تو مسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم اور نصاب ذکر الگ الگ قلمبند کردوں۔ چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کئے تو بہت خوش ہوئے۔ اس نصاب میں حکیم الامت حضرت تھانوی کے رسائل و مواعظ اور تفسیر بیان القرآن کو خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور نصاب ذکر میں بھی حضرت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اگر جماعت تبلیغ اُن نصابوں کے موافق تعلیم و ذکر کا اہتمام کرتی رہے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی یہ دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔۔ تذکرۃ الظفر از مولانا عبد الشکور مگر افسوس کہ حضرت مولانا محمد الیاس کی یہ دلی آرزو پوری نہ ہو سکی اور اب تو یہ بھی کسی کو معلوم نہیں کہ